جلد ۹۱ مارچ ۱۹۶۹ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

تفہیم القرآن

پارہ اوّل ـــ سورۃ الفاتحہ والبقرہ ـــ سورۃ التوبہ ـــ سورۃ الفرقان

سورۃ العنکبوت ـــ سورۃ لقمان ـــ سورۃ الاحزاب ـــ سورۃ یٰسٓ

سورۃ الفتح ـــ سورۃ الحجرات ـــ اور ـــ سورۃ الرحمٰن ـــ کے بعد

تفسیر تیسواں پارہ

ادارہ ترجمان القرآن کے روایتی معیار کے مطابق شائع کیا گیا ہے۔ آج ہی آرڈر بُک کرائیں

○

ولایتی کاغذ ـــ آفسٹ طباعت ـــ خوبصورت کور

سائز: ۲۲ × ۱۸ / ۸

○

ھدیہ: بیس ۲۰ روپے

○

ادارہ ترجمان القرآن ○ اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۱ | مارچ سنہ ۱۹۷۹ء مطابق ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۹ھ | عدد ۱

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک - اچھرہ - لاہور

فون نمبر ـــــ ۱۱۴۰۱۶ ـــــ ۱۷-۱۱۴

زرِ سالانہ بیس روپے - فی پرچہ -/۲ روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

رواں ہجری صدی کا آخری ماہ ربیع الاول اپنی برکتوں اور جلالتوں کے ساتھ گذر رہا ہے ـــــــ اور نئی صدی کے آغاز میں اب پورا سال رہ گیا ہے۔

آنے والی صدی کا دیباچہ نظام اسلامی کے اجراء و نفاذ کی وہ دستاویزات ہیں، جن کی ایک جھلک پاکستان اور دنیائے اسلام کے سامنے پاکستان کے فوجی اور سول سربراہِ حکومت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۲ ربیع الاول کی میلادی تقریبات کے ہجوم میں پیش کی۔

عین اُس ماہ مبارک میں جب کہ تقریباً چودہ سو سال قبل پیغمبر آخر الزمان، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے تھے، پاکستان میں اس نظام کے احیاء کا آغاز ہوا ہے جسے مقصود بنا کر تحریکِ پاکستان اُٹھی تھی اور جس کے لیے پاکستان عملاً قائم ہوا تھا، اور پھر جس کے لیے قوم کے پُرزور مطالبے پر بنیادی دستوری اصولوں پر مشتمل قرار دادِ مقاصد پاس ہوئی تھی۔

پاکستان اور اس کے باشندوں کے ساتھ کتنا بڑا ظلم تھا کہ مختلف حکمران اور کارپرداز پاکستان اور پاکستانی قوم کے مقصد سے انحراف کرتے رہے اور کروڑوں عوام کو تضادات میں مبتلا کرتے رہے۔

یہ پہلا موقع ہے کہ موجودہ حکومت نے خلوصِ دل اور شرحِ صدر کے ساتھ اسلامی نظام کی راہ پر صحیح سمت میں متعدد قدم بڑھائے ہیں۔ حالیہ فیصلے اور اقدامات درحقیقت ہونے والے کاموں کی محض پہلی قسط ہیں۔ اب ہر شخص میں یہ اعتماد اُبھر آیا ہے کہ مزید فیصلے، مزید اقدامات اور مزید قوانین تسلسل سے سامنے آتے رہیں گے، یہاں تک کہ تعمیرِ جہانِ نو کا کام مکمل ہو جائے۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کے فیصلوں پر ہم جنرل محمد ضیاء الحق، ان کے فوجی رفقائے کار، اُن کی

سول کابینہ، قومی اتحاد کے شرکاء، علماء و مفکرین، اور ان سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کو بھی ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں ــ نیز اُن اساتذہ، وکلاء، صحافیوں، ادیبوں کو بھی تحسین کا مستحق گردانتے ہیں جنہوں نے اسلام کی سمت قدم بڑھانے کے لیے فضا کو سازگار کرنے میں پچھلے کئی برسوں میں اپنے جذبۂ ایمانی کے تحت کام کیا۔ اور خواص سے بڑھ کر ہم اُن کروڑوں عوام کے ولولوں کی قدر کرتے ہیں جنہوں نے اپنا وزن ہر موقع پر اسلام کے پلڑے میں ڈالا اور خصوصاً گذشتہ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظامِ اسلامی کو برپا کر کے اپنے آپ کو فسطائیت کے ہر ظلم کے لیے سینہ سپر کر دیا۔

خداوند عزّ و جل اِس قوم کے خواص اور عوام کی اُن تمام اسلامی خدمات کو قبول کرے جو ۱۲ ربیع الاوّل کے اعلامیے پر منتج ہوئیں۔

یہ بڑی خوش آئندہ علامت ہے کہ قوم میں جس فاسد ذہن اور کردار کو سابق دورِ حکومت نے اُبھار دیا تھا، وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض طبقوں کی طرف سے اسلامی نظام اور احکام و قوانین کے اجراء کے متعلق جو باغیانہ اور منحرفانہ ذہن چند ماہ پہلے تک کام کر رہا تھا، اُس کا زور ٹوٹ گیا ہے اور اعلامیۂ محرم کے مقابلے میں اعلامیۂ ربیع الاوّل کے وقت اجتماعی فضا نمایاں طور پر سازگار ہے۔

اعلامیۂ ربیع الاوّل میں مثبت اور منفی، یا تعمیری اور تعزیری دونوں پہلو بڑے توازن سے شامل ہیں۔ بلکہ بڑا اچھا ہوا کہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب اور اُن کی حکومت نے انسدادِ جرائم کے سلسلے میں جو چند حدود و تعزیرات پیش کی ہیں، اُن پر ترجیح اور تفوق نظامِ زکوٰۃ و عشر کے اجراء اور دیگر مالی اصلاحات کو حاصل ہے۔ اور نظامِ زکوٰۃ و عشر کا جو ڈھانچہ تجویز کیا گیا ہے اس میں بھی اموالِ باطنہ اور اموالِ ظاہرہ میں فرق ملحوظ رکھ کر بعض صورتوں میں رضاکارانہ جذبے سے بطورِ خود زکوٰۃ ادا کرنے کی راہ اختیار کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یوں تو زکوٰۃ و عشر کے مختلف اندازے لگائے جا رہے ہیں، لیکن اگر ہر سال، ڈپٹی چیئرمین اقتصادی منصوبہ بندی کونسل پروفیسر خورشید احمد کے اندازے کے مطابق ۲ ارب ۹۰ کروڑ روپے کی رقم یا اس کا نصف بھی جمع ہو جائے تو اس اتنی بڑی رقم کو اگر معذوروں، بے روزگاروں،

بیواؤں اور یتیموں، مفلس مریضوں اور تہی دست طلبہ کو سنبھالنے کے لیے ہر سال استعمال کیا جائے — تو دیکھتے دیکھتے قوم کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

طبقاتی فلسفے کے تحت اگر خاص تدبیر و تزویر سے لوگوں کو مجہول کا یا نہ جائے تو انسانوں کی اصل ضرورت وہ ناکام قسم کی مصنوعی مساوات نہیں جس کے قیام کے لیے خدا کی زمین پر بے حساب خون خرابہ ہو چکا ہے، لاتعداد لوگ استبداد کی چکی میں پیس دیے گئے ہیں اور کروڑوں مزدوروں اور کسانوں کو بے زبان جانوروں میں بدل دیا گیا ہے۔ انسانوں کی اصل ضرورت اتنی ہے کہ وہ اور اُن کے بچے بھوکے نہ رہیں، وہ تن کو ڈھانک سکیں، انہیں سر چھپانے کی جگہ میسر ہو، وہ بیمار ہوں تو اُن کا علاج ہو سکے۔ وہ اولادوں کو تعلیم دلانا چاہیں تو غریبی اُن کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ یہ کام زکوٰۃ و عشر سے بخوبی ہو جاتا ہے، اور اگر چند سال یہ عمل جاری رہے تو [illegible] لینے والے کم ہوتے جائیں گے۔ اور دینے والے زیادہ! زکوٰۃ اگر صحیح طریق سے وصول اور تقسیم کی جاتی رہے تو طبقاتی تصادم اور طبقاتی منافرت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے[1]۔

زکوٰۃ و عشر جہاں ایک شرعی فریضہ ہے اور سعادتِ دارین کا ذریعہ، وہاں وہ طبقاتی تعاون کا ایک مظہر ہونے کی وجہ سے معاشرے کو طبقاتی تصادم کی تباہی اور طبقاتی انقلاب کے خون خرابے سے بچانے کا بہترین وسیلہ بھی ہے۔ ہم خوشحال طبقوں سے اپیل کریں گے کہ وہ اس کی زد سے اپنے اموال کو بچانے کے لیے ہیر پھیر نہ کریں کہ اس سے دنیا و آخرت دونوں خراب ہوں، بلکہ اس فنڈ کے قیام کو ملک و قوم کے لیے بھی ایک سرمایۂ برکت اور اپنے لیے بھی ایک ذریعۂ تحفظ سمجھیں۔ بجائے اس کے کہ کسی فاسد انسانی نظریے کے تحت کوئی طوفان اُٹھے اور انہی کو سب سے پہلا ہدف بنائے، وہ نظامِ زکوٰۃ

---

[1] ذاتی طور پر مجھے معلوم ہے کہ ضلع جہلم کے چند بڑے دیہات میں کچھ مدت میں زکوٰۃ کے وصول و صرف کا رضاکارانہ نظام مقامی طور پر کچھ لوگوں نے چلایا ہے، اور اس سے جو فنڈ جمع ہوتا ہے اور اس سے جس طرح کام چلتے ہیں وہ حیرتناک ہیں۔ اس سلسلے میں بریگیڈیر گلزار احمد صاحب سے معلومات مل سکتی ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری لوگوں کو چاہیے کہ وہ متعلقہ دیہات میں جا کر اس کام کا جائزہ لیں۔ اور اس کی برکات کو دیکھیں۔

کی پناہ حاصل کریں۔ اپنے اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی زکوٰۃ دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور پیش پیش رہیں۔ زکوٰۃ کی بنا پر فلاح عامہ کا جو فنڈ قائم ہوا ہے اس میں بڑی بڑی رقمیں داخل کریں۔

زکوٰۃ دراصل کفالت عامہ (PUBLIC MAINTENANCE) یا تحفظ اجتماعی (SOCIAL SECURITY) کا ایک ایسا فنڈ ہے جس کو سب سے پہلے اسلام نے قائم کر کے اسے عوامی فلاح و بہبود اور امراء و غرباء کے تعاون کا ذریعہ بنایا۔ نظامِ اسلامی کے خاتمے کے بعد جدید دور کی مغربی قوموں نے اس کے بعض اچھے تجربات کیے ہیں۔ اُن میں سے ایک قابلِ مطالعہ تجربہ برطانیہ کا ہے۔ بے روزگاری کے لیے، معالجات کے لیے، زچاؤں کو سہارا دینے کے لیے، بچوں کی غذا کے لیے، وظائف اور عطیات دیے جاتے ہیں مختلف قسم کے اہل حاجات کے پاس سوشل سیکورٹی کے کارڈ موجود ہوتے ہیں اور وہ اپنا کارڈ دکھا کر بے روزگاری یا معالجے کے لیے وظیفہ یا امداد حاصل کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ برطانیہ میں اتنا وسیع اور زوردار ہے کہ وہاں کی کمیونسٹ پارٹی آزادی کے ساتھ کام کرنے کا موقع پا کر بھی پارلیمانی جمہوریت میں ناکام ہو گئی ہے۔ لے دے کے لیبر پارٹی کو آگے آنے کے مواقع ملتے رہے ہیں مگر وہ سوشلزم کے ایک ایسے معتدل جمہوری تصور کو لے کے چلتی رہی ہے جو برطانوی نیشنلزم سے ہم آہنگ ہے۔

برطانیہ میں تو یہ سارا کام ضرورت و افادیت کے تحت چلا اور پھر بھی باقاعدگی سے چلا، لیکن پاکستان میں تو زکوٰۃ و عشر کا فلاح عامہ فنڈ شریعت کے ایک تقاضے اور ایک ایمانی و اخلاقی ذمہ داری کے طور پر جاری ہو رہا ہے۔ اس کا معیار برطانیہ سے بلند تر ہونا چاہیے اور اس کا دارومدار یہاں کے خوش حال طبقوں پر ہے۔ اگر ان طبقوں نے کوتاہی کی تو پھر اُن کو بڑے سنگین نتائج بھگتنے ہوں گے۔

زکوٰۃ و عشر انسان کے مال میں براہِ راست اُس کے اور اس کے اموال کے مالک خداوند کریم کی طرف سے عاید شدہ فریضہ ہے اور سائل و محروم کا حق۔ خدا کے عاید کردہ اس فرض اور غریبوں کے حق کے متعلق وہ طرزِ معاملہ شدید مجرمانہ و فاسقانہ ہو گا جو دنیوی ٹیکسوں سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ عباداتِ خمسہ میں سے ایک ہے جو مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے اور مسلمان کی حیثیت سے خدا کی بارگاہ میں پیش ہونے کے لیے شدید ضروری ہیں۔

زکوٰۃ و عشر عاید ہونے کے معنی یہ نہیں کہ اور کوئی ٹیکس نہیں رہے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ

ٹیکسوں کے موجودہ خراب نظام کو درست کیا جائے اور جائیداد یا انکم پر کوئی ٹیکس اگر باقی رہے تو اس کی تشخیص کرتے ہوئے جس رقم کا مطالبہ کیا جائے اس میں سے کسی شخص کی ادا کردہ زکوٰۃ کو منہا کر دیا جائے۔

زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں کی گنجائش بعض صورتوں میں تو بہت نمایاں ہے۔ مثلاً سونے چاندی پر زکوٰۃ ہے لیکن ہیروں، جواہرات پر زکوٰۃ نہیں تو ان پر ٹیکس کیوں عاید نہ کیا جائے ـــــ قالینوں پر، موٹر گاڑیوں پر، سہولتِ کار کے لیے گھروں میں استعمال ہونے والی مشینوں اور برقی آلات پر، ذاتی استعمال سے زائد مکانوں پر، سامانِ آرائش پر ضرور ٹیکس لگنے چاہییں۔

اسی طرح کسٹم، ٹیرف، محصول چونگی، یا بحری ٹیکس وغیرہ میں سے اسلامی کونسل جس جس کو جائز قرار دے وہ برقرار رہیں گے۔

وجہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کا فلاحی فنڈ تو غربت کے ازالے اور معاشی ناہمواریوں کے خاتمے کے لیے مخصوص رہے گا۔ بقیہ حکومتی مصارف ـــــ تعلیم، انتظامیہ، دفاع وغیرہ ـــــ کے لیے آج کے دور کے وسیع دفاتر اور تعداد کارکنان اور سامانوں اور لوازم کا خرچہ اٹھانا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ملکی خزانے کی دوسری آمدنیاں اچھی خاصی مقدار میں ہوں۔

قانونِ شریعت کے مطابق نافذ شدہ حدود کی تعداد صرف چار ہے۔ قتل کے قصاص و دیت کا قانون ابھی زیر تیاری ہے۔ باقی تمام جرائم کی سزا تعزیرات کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور تعزیرات مقرر کرنا حکومتِ وقت کا کام ہے کہ وہ قرآن، سنت اور اجتہاداتِ ماضی کو سامنے رکھ کر مختلف جرائم کی نئی نئی شکلوں کی سزائیں مقرر کرے۔ اور تعزیرات حدود سے بڑھ کر بھی ہو سکتی ہیں اور کم بھی۔

اسلامی کونسل کی نگاہ سے یہ امر باہر نہیں کہ زنا کے مکمل جرم کی معیاری حد کے لیے اگر شہادتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کارروائی نہ کی جاسکتی ہو تو محرکات و مؤیدات زنا اور شبہ زنا کی صورتوں میں عام معیار کی گواہی کی بنیاد پر کوئی دوسری سزا دی جاسکے۔ مثلاً اغوا، غیر محرم مرد و عورت کا خلوت میں یکجا پایا جانا، کسی عورت کے ساتھ سرِ عام یا کسی ہوٹل میں یا مکان میں چھیڑ چھاڑ، یا تقبیل و ملامست، عریانی

فحاشی کا مظاہرہ بصورتِ جسم، یا بصورتِ تصویر، جنسی جذبات کو بھڑکانے کے لیے شائستہ اشارات و کنایات سے بڑھی ہوئی صریح گندی تحریریں یا گانے، یا عصمت و عفت، شرم و حیا، غیرت و حمیت اور اسلامی قاعدۂ نکاح و زوجیت کا استہزا و استخفاف اور ان حدود سے تجاوز کی تحریص وغیرہ۔ ایسے جرائم ہیں جن کی درجہ بدرجہ سزائیں بصورتِ تعزیر دی جا سکتی ہیں۔ کچھ قابل تعزیر صورتیں قانون میں شامل ہیں۔

اسی طرح سرقہ کی وہ صورت جس پر حد نافذ ہوتی ہے، اس کے علاوہ چوری اور دوسرے کے اموال و املاک میں تصرف بلا اجازت خصوصاً مجرمانہ انداز سے کسی کے مکان یا زمین یا دفتر یا جائے کاروبار میں داخلہ وغیرہ کے لیے مختلف تعزیرات نافذ ہونی چاہئیں۔ اس کا اہتمام قانون میں رکھا گیا ہے۔

چوری کے متعلق اسلامی کونسل کو اس امر پہ بھی غور کرنا چاہیے کہ جس شخص کے خلاف چوری کا جرم ثابت ہو اس پہ مالِ مسروقہ کی واپسی علاوہ سزا کے لازم کی جائے۔ اور اگر اس نے مال خرچ کر ڈالا ہو یا ضائع کر دیا ہو تو اس کی جائداد فروخت کر کے اُسے پورا کیا جائے۔ اسی طرح خیانت مال کے مجرمین سے بھی مال مغبونہ کو واپس لیا جائے۔

ایک بڑا مسئلہ رشوت کا ابھی باقی ہے، اور اس کے لیے انفرادی سزا کا مطالبہ عام ہے، رشوت کا لین دین لعنت کو واجب کرنے والا جرم ہے یہ بلا چوں کہ ہمارے یہاں حد سے بڑھی ہوئی ہے اس وجہ سے اس کے لیے خصوصی تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی۔ مثلاً رشوت کے لین دین کی مخبری پہ انعام دیا جائے، خصوصاً بعض شعبوں میں نیچے سے اُوپر تک رشوت کا جو زنجیری نظام رائج ہے، اگر اس میں شریک کوئی شخص اس کی مخبری کرے اور ثبوت دے سکے تو اُس کی بہت قدر دانی ہونی چاہیے۔ نیز بعض صورتوں میں کسی وسیع سلسلہ رشوت کی نگرانی کا خفیہ انتظام کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف رشوت کی سزا بہت سخت رکھی جائے۔ کچھ عرصے تک سزائے موت بھی دی جائے تو شاید بے جا نہ ہو ورنہ قید اور تازیانوں کی سزا تو ضرور دی جانی چاہیے۔

رشوت اور اسمگلنگ جیسے مالی جرائم کی صورت میں مجرم کی پوری جائیداد ضبط کر لینے کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص متنبہ رہے کہ اگر عمر میں ایک بار بھی رشوت ستانی کی تو سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

رشوت ستانی اور سرکاری اموال میں خیانت کی روک تھام کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ

ہر سرکاری ملازم اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اور گھریلو سامان کی قیمتی اقسام (مثلاً کار، فرج، ٹی۔وی، گھریلو استعمال کی دیگر مشینیں، صوفے، قالین وغیرہ) کی فہرست سالانہ داخل کرے اور جتنی اشیاء یا املاک اس نے حاصل کی ہوں اُن کے متعلق بتائے کہ وہ کس ذریعے اور کس آمدنی سے حاصل ہوئیں۔ قاعدہ معروف کے مطابق اس کے لواحقین کے بھی اثاثوں اور واجبات کا احتساب ہونا چاہیے۔

سود کے خاتمے اور سودی بنک کاری کی تبدیلی کے لیے "ضیاء حکومت" نے جو عزم کیا ہے وہ بہت بڑی بات ہے اور یہ کام اگر دو چار سال میں مکمل ہو جائے تو قابلِ صد ہزار تحسین ہوگا۔ مبارک امر یہ ہے کہ اس کی طرف ابتدائی قدم اُٹھا دیے گئے ہیں۔ مثلاً سود کے بجائے شرکتِ منافع کے اصول پر سرمایہ کاری کا تجربہ اب شروع ہو رہا ہے۔ اسی طرح چھوٹے مکانات کے لیے ہاؤسنگ سوسائٹیوں سے لیے ہوئے قرض پر کرایۂ مکان کا ایک حصہ ادا کرنا ہوگا۔ یاد رہے کہ ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے لیے ترجمان القرآن میں بھی بلا سود سرمایہ کاری کا ایک خاکہ دیا جا چکا ہے۔
اس قسم کی تبدیلیوں کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے پورے سرمایہ کارانہ اور مالیاتی سسٹم کے بنیادی ڈھانچے کو بدلنے کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ ایسی تبدیلی اگر ابتداء میں محدود سی بھی ہو تو وہ کم سے کم یہ بتاتی ہے کہ اس "نشتر کی زد" کہاں تک پہنچے گی۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی صحت کا یہ پہلو حوصلہ افزا ہے کہ دماغ بخوبی کام کر رہا ہے۔ مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں، لیکن جوڑوں کے مسلسل درد کی وجہ سے، جس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ طبیعت کمزور رہتی ہے اور ذرا سا بار اُٹھانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لکھنے کا کام نومبر ۱۹۷۷ء سے بند ہے۔ شدید ضروری ملاقاتیں جن سے کوئی راہ نجات نہیں، اکثر اوقات وہ بھی باعثِ تکلیف ہوتی ہیں۔ اِن حالات میں مختلف اطراف سے مولانا کے محبوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کچھ لکھیں، ترجمان القرآن میں ان کے قلم سے صفحہ دو صفحے آجایا کریں۔ (اور یہ درخواست میں نے بھی براہ راست کی ہے) مولانا کے لیے اسے پورا کرنا بہت مشکل ہے۔ علاوہ ازیں کچھ لوگ انٹرویو

(باقی اشارات بر صفحہ ۴۸)

ارشادات مولانا مودودی

(۱)

تنظیم اساتذہ کے شرکاء سے خطاب

میں آپ کا تہ دل سے شکر گذار ہوں کہ آپ میری بیماری کی رعایت کر کے یہاں تشریف لائے ہیں۔ اگر میں بیمار نہ ہوتا تو آپ کے کنونشن کے تمام اجلاسوں میں شریک ہوتا کیونکہ میرے دل میں آپ کی بڑی قدر ہے مجھے یقین ہے کہ جو شخص بھی اسلام کے لیے دلِ دردمند رکھتا ہو وہ اس کی قدر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ اساتذہ کی ٹریڈ یونین نہیں ہے جو تنخواہوں اور گریڈوں کی تگ ودَو کے لیے وجود میں آئی ہو۔ یہ ایسے اساتذہ کی تنظیم ہے جو خلوص دل سے چاہتے ہیں کہ نئی نسل کو اسلام کی تعلیم دیں۔ اور ان کے اذہان کی اصلاح کریں۔ آپ کی تنظیم اس لحاظ سے قابلِ قدر ہے کہ اس میں اونچ نیچ کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ پرائمری کے استاد سے لے کر اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں کے اساتذہ بالکل برابری کے ساتھ اس میں شامل ہیں اور بغیر اس احساس کے کہ کون چھوٹا ہے اور کون بڑا۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اللہ کے دین کے لیے کام کر رہے ہیں۔

یہ کنونشن اس لحاظ سے اور قابلِ قدر ہے کہ اس میں پاکستان کے دُور دراز تک کے علاقوں کے اساتذہ نے شرکت کی اور علاقائی اور لسانی تعصبات سے بالاتر ہو کر ایک عظیم مقصد کے لیے جدوجہد کرنے کا عہد کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ لسانی اور علاقائی تعصبات سے پاک اساتذہ ہی ملک کی سالمیت کا تحفظ کرنے والی سب سے بڑی قوت ہیں۔ کیوں کہ وہ یہی جذبہ اپنے طلبہ میں منتقل کرتے ہیں۔ اگر اساتذہ ہی اپنے شاگردوں میں لسانی اور علاقائی تعصبات کا زہر پھیلانے لگیں۔ تو پھر ملکی سالمیت کا تحفظ ممکن نہیں۔ اسی زہر کی وجہ سے مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوا۔ اور جب علیحدگی کی نوبت آئی تو فوج

بھی اس ملک کو نہ بچا سکی۔

مشرقی پاکستان میں نہ صرف یہ کہ نظامِ تعلیم غلط تھا بلکہ نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری بھی ایسے اساتذہ کے ہاتھوں میں تھی جو ان میں اسلام کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ میں جب ۱۹۵۶ء میں پہلی بار مشرقی پاکستان گیا تو وہاں ایک مسلمان استاد سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ میں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ جو قوم اپنی نسل کو ایسے افراد کے ہاتھ میں دے دیتی ہے وہ گویا خودکشی کرتی ہے۔

اس لحاظ سے یہ تنظیم ملک کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں ہر جگہ اور ہر علاقے کے لوگ اس مقصدِ عظیم کو حاصل کرنے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں کہ وہ نئی نسلوں کو اسلام کی تعلیم دیں اور ان کی صحیح خطوط پر تربیت کریں۔

میں اپنی بیماری کی وجہ سے مفصل تقریر نہیں کر سکتا لیکن چند باتیں مختصراً عرض کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ حقیقی استاد کوئی پیشہ ور کتابیں پڑھانے والا آدمی نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک مشنری ہوتا ہے جو محض روزی کمانے کے لیے یہ پیشہ اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ ایک عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے اس پیشے کو اپناتا ہے۔ حقیقی استاد وہ ہے جس کی زندگی کا مقصد یہ ہو کہ وہ علم، تہذیب اور افکار جو اسے اگلی نسلوں سے ورثہ میں ملے ہیں وہ اسے ٹھیک طور پر صحیح شکل میں نئی نسل کو پہنچا دے اور اسے آلائشوں سے پاک کرے تاکہ نئی نسل بھی اسی راستے پر آگے بڑھے جس پر اس کے آباؤ اجداد چلتے رہے ہیں۔ یہی استاد کا مشن ہے اور اگر وہ اس مشنری جذبے سے کام نہیں کرتا تو وہ مزدور یا ملازم ہے استاد نہیں۔

معلم مجسم تعلیم ہوتا ہے۔ ہم نبی اکرمؐ کی وجہ سے مسلمان ہیں اور دین کی دولت ان ہی کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہے۔ رسول اکرمؐ کی اوّلین خصوصیت معلم کی تھی۔ وہ صرف زبان سے نہیں بلکہ اپنی زندگی کے ہر فعل سے تربیت کرتے تھے۔ اسی طرح مسلمان معلم مجسم تعلیم ہے۔ اس کی ہر حرکت سے شاگرد متاثر ہوتے ہیں۔ جب وہ کلاس میں داخل ہوتا ہے۔ جب وہ پڑھا رہا ہوتا ہے۔ جب وہ باہر جاتا ہے، غرضیکہ تمام حرکات و سکنات شاگردوں کو متاثر کرتی ہیں۔ اگر وہ گالی دینے والا ہے تو گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ تم بھی گالی دیا کرو۔ بدمزاج استاد کے شاگرد تحمل اور بردباری سے عاری ہوتے ہیں۔

ایک مسلمان جو سچے دل سے اللہ کے دین پر ایمان لایا ہوا ور جس کے دل و دماغ میں دین رچ بس

گیا ہو۔ وہ قطعاً پروا نہیں کرتا کہ نظامِ تعلیم کیسا ہے، اور نصاب کیا ہے۔ کتابیں خواہ کسی بھی قسم کی ہوں اگر اس کو اپنے نظریے پر پختہ ایمان ہو تو وہ ہر مضمون کے اندر اپنا عقیدہ داخل کردے گا۔ اور جو چیزیں اسلام کے خلاف ہوں، طلبہ کو اُن کی خامیوں سے آگاہ کر سکتا ہے۔ خالص کافرانہ کتابیں پڑھا کر بھی اچھے مسلمان پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ استاد خود اچھے مسلمان ہوں۔ اور ان کی نظر گہری ہو۔ یہاں ایک غیر اسلامی نظامِ تعلیم تھا۔ اس غیر اسلامی نظامِ تعلیم سے اچھے لوگ پیدا ہوئے۔ یہ نظامِ تعلیم آخر ہمارے ملک میں ایک مدت سے رائج تھا اور اب بھی رائج ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ انہی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے جو منکرِ خدا بناتی ہیں، ایسے لوگ نکلے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ کچھ اساتذہ اپنے شاگردوں کی تربیت کرنا چاہتے تھے۔ اگر خدا کے دین کے لیے کام کرنے والے لوگ ہوں تو بد سے بدتر نظام میں بھی کام کرنا ممکن ہے۔ مغربی یونیورسٹیوں میں کہیں بھی کمیونزم کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ پھر وہاں کے اداروں سے کمیونسٹ کیسے پیدا ہو گئے۔

ہمارے اپنے ملک میں اسلام کے خلاف کھل کر کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے باوجود بے دین اساتذہ نے طلبہ میں بے دینی پیدا کی۔ اُن کے اندر خدا سے اور آخرت سے انکار کا جذبہ پیدا کیا اور مسلمانوں کی اولاد کو اسلام سے برگشتہ کیا۔ چونکہ وہ منکر تھے اس لیے بہت سے نوجوانوں کو انہوں نے منکر بنایا۔ وہ ایسا کر سکتے ہیں تو آپ کیوں ایسا نہیں کر سکتے؟ نظامِ تعلیم کب بدلنا ہے؟ یہ ہوتا رہے گا۔ اس کے لیے جدوجہد کرنے والی طاقتیں موجود ہیں۔ آپ بھی اس میں شامل ہوں۔ لیکن اس کا انتظار نہ کریں اور آج ہی سے اپنے مشن کے لیے تیار ہو جائیں، اور شاگردوں کے دلوں سے شکوک و شبہات نکال کر ایمان و ایقان کی تعلیم دیں۔

بدکردار اساتذہ طلبہ کو بدکردار بناتے ہیں۔ آپ نیک کردار اپنائیں۔ اخلاقِ صالح کی تلقین کریں۔ آپ شاگردوں کو نمازی نہیں بنا سکتے جب تک کہ خود نماز نہ پڑھیں۔ آپ اخلاق و کردار کا عملی نمونہ بن کر دکھائیں۔ کیونکہ اساتذہ کا کردار شاگردوں کے کردار کی تشکیل میں بہت اہم ہوتا ہے۔

آپ اسلام پر ایمان رکھنے والے اساتذہ کی تنظیم اور انہیں ایک مقصد پر مجتمع کرنے کی جدوجہد مسلسل جاری رکھیں اور جو استاد جہاں بھی یہ جذبہ رکھتا ہے اُسے اپنے ساتھ ملائیں۔ یہاں تک کہ ملک میں دو ہی قسم کے لوگ رہ جائیں۔ ایک ایمان والے اور دوسرے منکر۔ ایمان والے یقیناً ان منکرین سے زیادہ

ہیں جو ۔ ۔ ۔ ۔ بے دینی اور بدکرداری پھیلا رہے ہیں۔ آپ کا صحیح کردار اُن کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہوگا۔ کیونکہ آپ سے متاثر شاگردوں کے سامنے وہ اپنے نظریات نہیں پھیلا سکیں گے بلکہ اُن کے سامنے چلنے پھرنے میں بھی شرم محسوس کریں گے۔

سب سے بڑی ضرورت تنظیم کی ہے۔ ایمان اور اخلاق کی بنا پر تنظیم بن جائے تو اس کے بعد اگر حکومت بدکردار اساتذہ کو نہ بھی نکالے تو بھی آپ انہیں بے اثر کر دیں گے۔

دُعا

یا اللہ! یہ تنظیم جو ملک میں نوجوان نسل کو صالح کردار اور اخلاق دینے کے لیے قائم ہوئی ہے۔ اس کو برکت اور زیادہ سے زیادہ طاقت عطا فرما۔ اس کے کارکنوں کے دلوں میں سچا ایمان اور اخلاق ڈال دے اور انہیں اس قابل بنا کہ نئی نسل کو صحیح معنوں میں اسلامی بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ آمین۔

(۲)

جمعیت طلبہ عربیہ کے شرکائے تربیت گاہ سے خطاب

برسوں سے ہماری یہ کوشش ہے کہ دینی مدارس اور جدید درسگاہوں کے تعلیم یافتہ لوگ مل کر اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ ان دونوں گروہوں کی علیحدگی اور ایک دوسرے سے دُوری نے ملت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ہم انہیں قریب لانا اور اقامتِ دین کے کام میں ایک دوسرے کا مددگار بنانا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہمارا آخری مقصد یہ ہے کہ دین اور دُنیا کی تعلیم الگ الگ ہونے کے بجائے ایک ہی نظامِ تعلیم میں دونوں کو جمع کر دیا جائے۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ سیاست میں حصہ لینے کو ایک گالی بنا دیا گیا ہے اور دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے جب اقامتِ دین کی جدوجہد میں حصہ لیتے ہیں تو انہیں طعنہ دیا جاتا ہے کہ تم سیاست میں پڑ گئے ہو۔ حالانکہ اسلام میں سیاست دین سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جو قانون دیا ہے وہ اسی لیے دیا ہے کہ اُسے نافذ کیا جائے، اور اُسے نافذ

کرنا ہی اسلامی سیاست ہے۔ جو سیاست خدا کے قانون کے بجائے کوئی اور قانون جاری کرے۔ وہ ہمارے نزدیک شیطانی سیاست ہے، اور ہم اس سے لڑنا چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو سیاست قانونِ الٰہی کو نافذ کرنے کے لیے ہو وہ ہمارے لیے عین دین ہے اور اسے کوئی ایسا شخص مطعون نہیں کرسکتا جو دین کی سمجھ رکھتا ہو۔

مولانا نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ کالجوں کے طلبہ اور دینی مدارس کے طلبہ کو ایک دوسرے سے ملنا اور ایک دوسرے کے علم سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ اس سے دونوں گروہوں کو علمی فائدہ بھی ہوگا اور آپس کی غلط فہمیاں بھی رفع ہوں گی۔ بعض طلبہ نے ان مشکلات کا ذکر کیا جو انہیں دینی درسگاہوں میں پیش آرہی ہیں۔ تو مولانا نے کہا کہ یہ تو ایک فطری بات ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ انسان خدا کے دین کا کام کرے اور اس کے راستے میں مشکلات پیدا نہ ہوں۔ ان مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، ان کو رفع کرنے کی ضرورت ہے۔ مشکلات کسی نہ کسی غلط فہمی کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں اور انسان کوشش کرے تو وہ دُور کی جاسکتی ہیں۔

عالمِ اسلام میں احیائے اسلام کے لیے اُٹھنے والی مختلف تحریکوں سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا محترم نے کہا کہ نظامِ اسلامی کے قیام کے لیے مختلف مسلمان ملکوں میں جو لوگ بھی کام کر رہے ہیں وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایران اور افغانستان میں اس مقصد کے لیے جو لوگ قربانیاں دے رہے ہیں میں اُن کے لیے دست بدعا ہوں اور ہماری تمام تر ہمدردیاں اُن مجاہدین کے ساتھ ہیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ بعض عناصر ملک میں فرقہ واریت کا فتنہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، مولانا مودودی نے کہا کہ آپ لوگ تحریک اسلامی کا کام مثبت طور پر جاری رکھیں اور ان چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ کیوں کہ ان مسائل میں اُلجھنے کی وجہ سے آپ تحریک کا کام نہیں کرسکیں گے۔ ہماری تحریک میں تمام مکاتبِ فکر کے لوگ شامل ہیں۔ بریلوی، دیوبندی، اہلِ حدیث اور شیعہ حضرات اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں ہمارے شانہ بشانہ حصہ لے رہے ہیں۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام گروہوں کا اتحاد ہی اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔

---

(۳)

افغانستان کی صورتِ حال کے بارے میں

ایک مدت سے جو تشویشناک خبریں افغانستان سے آرہی تھیں۔ وہ ساری دُنیا کے مسلمانوں کے لیے پریشان کن تھیں۔ اب ان تازہ اطلاعات نے اس تشویش کو حد سے فزوں کر دیا ہے کہ افغانستان کے نہایت مشہور و معروف بزرگ حضرت مولانا محمد ابراہیم مجددی کو اور ان کے تمام اہل خانہ کو حتیٰ کہ بچوں تک کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اور پورے ملک میں بڑے پیمانے پر علماء کی گرفتاریاں کی گئی ہیں۔ ہم افغانستان کو ایک برادر ملک کی حیثیت سے اتنا ہی عزیز رکھتے ہیں جتنا خود اپنے ملک کو، ہمارے نزدیک یہ وسیع پیمانے پر ظلم وستم افغانستان کے لیے بھی تباہ کن ہے۔ اور اس کی حکومت کے لیے بھی۔ اس لیے حکومتِ افغانستان کو ہمارا برادرانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ اس غلط پالیسی سے باز آجائے۔

(بیان مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۷۹ء)

تعزیراتِ اسلام

جناب قاضی بشیر احمد صاحب ۔ باغ ۔ آزاد کشمیر

(۱۶)

۸ ۔ قتل، معنوی اسباب کے ذریعہ ۔

معنوی سبب سے قتل کرنے سے ——— مراد غیر مادی چیز سے قتل کرنا ہے ، جیسے کسی کو اتنا رعب دیا کہ وہ مرگیا ، دوسرے پر سانپ پھینکا خواہ زندہ یا مُردہ ، یا تلوار سونتی اور وہ گھبرا کر مرگیا تو اس طرح سے قتل ، معنوی ذریعے سے قتل کہلائے گا ۔

امام مالک رح کے نزدیک یہ قتلِ عمد ہوگا ، اور قصاص واجب ہوگا [1]

امام احمد رح فرماتے ہیں کہ اگر قاتل نے عمداً ایسا کیا ہو تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا ۔ اگر عمداً نہ ہو تو قتل خطا ہوگا [2]

امام شافعی رح نابالغ مقتول کے بارے میں امام احمد رح کی موافقت فرماتے ہیں اور بالغ مقتول کے بارے میں اُن کے دیت اور عدم دیت کے دونوں قول ہیں [3]

امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے کے پاس چیخ ماری اور وہ گھبرا کر مرگیا تو مجرم کو دیت کی سزا دی جائے گی [4] اس سے معلوم ہوا کہ معنوی سبب سے قتل پر امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک قصاص

---

[1] الشرح الکبیر للدردیر ص ۲۱۷ ۔ بحوالہ التشریع الجنائی الاسلامی ج ۲ ۔ ص ۴۷ ۔

[2] المغنی ج ۹ ۔ ص ۳۸۶ [3] ایضاً

[4] البحر ۔ ج ۸ ۔ ص ۳۳۵

واجب نہ ہوگا۔ بلکہ دیت واجب الادا ہوگی۔

دفعہ ۱۶ قتل شبہ عمد کی سزا۔

قتل شبہ عمد کے مرتکب کو مندرجہ ذیل سزا دی جائے گی۔

۱۔ اس کی عاقلہ کامل دیت ادا کرے گی اور عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی شریک ہوگا۔

۲۔ وراثت یا وصیت کی صورت میں ملنے والے ترکہ سے بھی محروم ہوگا۔ بشرطیکہ،

ا۔ جرم قتل، قاتل سے صادر ہوا ہو، اس کے لیے سبب نہ بنا ہو، یعنی قتل بالسبب نہ ہو۔

ب۔ قتل حق دفاع کے طور پر نہ ہوا ہو[1]۔

ج۔ قاتل، عاقل اور بالغ ہو[2]۔

۳۔ اگر قاتل عاقل بالغ اور مسلمان ہو تو کفارہ بھی ادا کرے گا جس کے لیے اس کی ممکنہ صورت یہ ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے وہ تسلسل کو قائم نہ رکھ سکے تو از سر نو روزے رکھنے ہوں گے البتہ عورت کا تسلسل اس کے حیض کی وجہ سے ختم نہ ہوگا[3]۔

۴۔ اگر مقتول، عورت ہو تو اس کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہوگی[4]۔

تشریح:۔ عاقلہ سے مراد قاتل کی وہ ہمدرد برادری ہے جو اس کی حمایت و نصرت کرتی ہو۔ اس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔ اور متذکرہ بالا سزا کا ثبوت، قتل خطاء کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ اوپر دنیاوی سزا کا ذکر ہے۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہوگی اور کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا ذکر اوپر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ کفارہ کی ادائیگی کی ایک صورت یہ بھی ہے۔ اس لیے کہ اس دور میں غلاموں کا رواج نہیں رہا۔

قتل کی تیسری قسم ——— قتل خطاء

دفعہ ۱۷۔

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں:۔

---

[1] البحر جلد ۸ ص ۴۸۸، ۵۰۰

[2] البدائع۔ جلد ۷ ص ۲۳۹، ۲۴۰

[3] بیان القرآن۔ ملخصاً

[4] ہدایۃ جلد ۴۔ ص ۵۸۵۔

۱۔ ارادہ میں خطاء۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قاتل قصداً ایک چیز کو قتل کرنے کے لیے نشانہ تو ٹھیک لگائے لیکن فی الواقع نشان زدہ چیز اس کی مراد نہ ہو[۱]

تمثیل: قاتل نے ایک چیز کو شکار سمجھ کر نشانہ بنایا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ نشان زدہ چیز آدمی ہے۔ یہاں فعل تو اس کا ٹھیک ہے البتہ اس کے ارادہ میں خطاء ہو گی کہ جس چیز کو اس نے شکار سمجھا تھا، واقع میں وہ شکار نہ تھا بلکہ انسان تھا۔

۲۔ فعل میں خطاء: اس سے مراد یہ ہے کہ قاتل قصداً ایک چیز کو نشانہ نہ بنائے لیکن نشانہ چوک کر دوسری چیز کو لگ جائے۔

تمثیل: قاتل نے شکار کو تیر مارا مگر نشانہ چوک کر آدمی کو لگ گیا۔ اس مثال میں قاتل کی نیت شکار کو مارنا تھی مگر اس کے فعل کی غلطی کی وجہ سے نشانہ صحیح نہ لگا۔ بلکہ قریب آدمی کو لگ گیا جس کا اس نے ارادہ نہ کیا تھا۔

دفعہ ۱۸۔ قتل خطاء کی سزا۔

۱۔ قتل خطاء کے مرتکب کو مندرجہ ذیل سزا دی جائے گی۔

۱۔ اس کو کفارہ ادا کرنا ضروری ہو گا۔ بشرطیکہ مقتول معصوم الدم، عاقل، بالغ شخص ہو[۲]۔ اور قتل خطاء کا کفارہ وہی ہو گا جو شبہ عمد کا ہے۔

۲۔ قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو گا۔

۳۔ قاتل کی عاقلہ پر کامل دیت لازم ہو گی جس میں قاتل بھی حصہ دار ہو گا[۳]۔ اگر مقتول مرد ہو تو کامل دیت واجب الادا ہو گی اور اگر عورت ہو تو مرد کی دیت کا نصف ہو گی[۴]۔

۴۔ کامل دیت وہی ہے جو شبہ عمد کی سزا میں مذکور ہے۔

---

[۱] ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۶۱

[۲] البدائع جلد ۷ ص ۲۵۲ و ۲۵۵

[۳] ایضاً نیز ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۶۱

[۴] ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۸۵ ۔

ب ۔ دیت کے وجوب کے لیے مقتول کا معصوم الدم ہونا ضروری ہے۔[1]

ج ۔ دیت مقتول کے شرعی ورثاء میں تقسیم کی جائے گی۔ اگر کوئی وارث اپنا حصۂ دیت معاف کرے تو
اس قدر دیت معاف ہو جائے گی۔ بقیہ دیت واجب الادا ہوگی اور اگر سب ورثا معاف کر دیں تو تمام
دیت معاف ہو جائے گی۔ اور جس مقتول کا کوئی شرعی وارث نہ ہو۔ اس کی دیت بیت المال میں داخل ہوگی
کیونکہ دیت ایک ترکہ ہے۔ اور اس کا یہی حکم ہے۔[2]

تشریح ۱ ۔ قتل خطاء اور اس کی سزا ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداً) قتل کرے لیکن غلطی سے (ہو جائے
تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے تو اس پر (شرعاً) ایک مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد
کرنا (واجب) ہے۔ اور خون بہا (بھی واجب) ہے جو اس (مقتول) کے خاندان والوں کو (یعنی ان میں
جو وارث ہیں بقدر حصص میراث) حوالہ کر دیا جائے (اور جس کے کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام
ورثہ کے ہے) مگر یہ کہ وہ لوگ (اس خون بہا کو) معاف کر دیں (خواہ کل یا بعض ہی معاف ہو جائے گی)
اور اگر وہ (مقتول خطاءً) ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں (یعنی حربی ہیں اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا
تھا) اور وہ شخص مومن ہے تو (صرف) ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا (پڑے گا اور دیت اس لیے
نہیں کہ اگر ورثہ اس مقتول کے مسلمان ہیں تب تو وہ اسلامی حکومت کے ماتحت نہ ہونے کے باعث مستحق نہیں
اور اگر کافر ہیں تو اس صورت میں بیت المال کا حق ہوتی ہے اور دار الحرب سے دار الاسلام کے
بیت المال میں ترکہ لایا نہیں جاتا) اور اگر وہ (مقتول خطاءً) ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور اُن میں معاہدہ
(صلح یا ذمہ کا) ہو (یعنی ذمی یا مصالح مستامن ہو) تو خون بہا (بھی واجب ہے --- جو اس (مقتول
کے خاندان والوں کو --- یعنی اُن میں جو وارث ہیں) حوالہ کر دیا جائے (کیونکہ کافر کافر کا وارث ہوتا
ہے) اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کو آزاد کرنا (پڑے گا) پھر (جن صورتوں میں غلام، لونڈی آزاد کرنا
واجب ہے) جس شخص کو غلام لونڈی) نہ ملے (اور نہ اتنے دام ہو کہ خرید سکے --- تو اُس کے ذمے)

[1] ہدایۃ جلد ۴ ۔ ص ۵۸۵ ۔

[2] تفسیر بیان القرآن ۔

متواتر دو ماہ کے روزے ہیں (از بیان القرآن سورۃ نساء: ۹۲) مذکور عبارت سے معلوم ہوا کہ:۔

۱۔ قتل خطاء میں کفارہ اور خون بہاء واجب ہے اور خون بہاء مقتول کے ورثاء کو بقدر حصص میراث دیا جائے گا۔

۲۔ اگر وارث نہ ہو تو دیت بیت المال میں داخل ہو گی۔

۳۔ خون بہا جزوی یا کلی معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اگر مقتول، مومن ہو، لیکن حربی قوم میں کسی وجہ سے رہتا ہو تو قاتل صرف کفارہ ادا کرے گا اور دیت اس پر عائد نہ ہو گی، اس لیے کہ اس کے ورثاء اگر مسلمان ہوں تو وہ اسلامی حکومت کے ماتحت نہ ہونے کی وجہ سے مستحق نہیں۔ اگر کافر ہوں، تو دیت، بیت المال کا حق ہوتی ہے۔ مگر دار الحرب سے دار الاسلام کے بیت المال میں ترکہ نہیں لایا جاتا۔

۵۔ اگر مقتول کسی معاہد قوم سے تعلق رکھتا ہو تو قاتل کفارہ ادا کرنے کے علاوہ خون بہا بھی مقتول کے ورثاء کو ادا کرے گا۔

۶۔ جن صورتوں میں قاتل پہ کفارہ عائد ہوتا ہے ان میں قاتل کے لیے اس دور میں ممکن یہی ہو گا کہ وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔

تشریح ۲:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِلَّا خَطَاءً" میں قتل خطاء اور شبہ عمد، دونوں قسمیں داخل ہیں۔ قتل خطاء تو ظاہر ہے۔ اور قتل شبہ عمد اس طرح کہ اس کے اندر بھی ایک اعتبار سے خطاء کا پہلو موجود ہوتا ہے[1]۔ البتہ جنس کی صورت میں دو اقسام کی دیت الگ الگ ہو گی۔ اور قولہ تعالیٰ "اِلَّا خَطَاءً" میں قتل خطاء کی بھی دونوں اقسام داخل ہیں کیونکہ خطاء کبھی فعل میں ہوتی ہے اور کبھی ارادے میں، لیکن دونوں کو خطاء ہی کہا جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل آثار ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ حضرت سدی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ نے بنی عامر کے ایسے آدمی کو قتل کر دیا تھا جو اسلام قبول کر چکا تھا۔ مگر عیاش پر اس کے مسلمان ہونے کا علم نہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر حکم نازل فرمایا۔ "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاءً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

[1] تفسیر بیان القرآن۔ سورۃ نساء: ۹۲

خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا "

مذکورہ بالا واقعے اور آیت سے ارادے میں خطا کا ثبوت ملتا ہے[1]۔

۲۔ سلمہ بن نعیم فرماتے ہیں کہ یمامہ کی لڑائی میں میں حضرت خالد بن ولید کے ہمراہ تھا تو ہم نے ایک آدمی کو قتل کیا تو گرتے وقت اس نے کہا " اَللّٰهُمَّ عَلٰى مِلَّتِكَ وَمِلَّةِ رَسُوْلِكَ وَاِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا عَلَيْهِ مُسَيْلِمَةُ " تو میں نے اس کے پاؤں میں دھاگہ باندھا اور اپنی قوم میں آگیا۔ اور پھر جب اس کے پاس لوٹا تو میں نے دریافت کیا کہ کیا اس آدمی کو کوئی جانتا ہے؟ کچھ یمنی لوگ پاس سے گذر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ مسلمان مرد ہے۔ پھر میں مدینہ منورہ میں آگیا اور حضرت عمرؓ کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا " قَدْ اَحْسَنْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ وَعَلٰى قَوْمِكَ الدِّيَةَ وَعَلَيْكَ تَحْرِيْرَ رَقَبَةٍ الخ[2]

اس واقعہ میں قاتل نے مقتول کو مسیلمہ کا پیرو سمجھ کر قتل کیا لیکن واقعہ میں وہ مسلمان تھا تو یہ قتل، ارادہ میں خطاء واقع ہونے سے ہوا۔ جس کی سزا قاتل پر کفارہ ہے اور اس کی عاقلہ پر دیت ہے۔

تشریح ۳

وجوبِ کفارہ میں ائمہ کا اختلاف۔

امام شافعیؒ کے نزدیک جس طرح قتلِ خطاء میں کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح وہ قتلِ عمد میں بھی کفارہ کے وجوب کے قائل ہیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قتلِ عمد میں کفارہ واجب نہیں ہوتا (یہی وجہ ہے کہ ہم نے قتلِ عمد کی سزا میں اس کا ذکر نہیں کیا) اور امام احمدؒ کے دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ قتلِ عمد میں کفارہ کے وجوب کو قتلِ خطاء کے کفارہ پر قیاس کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، جو واثلہ بن اسقع سے مروی ہے کہ " ہم اپنے ایک ساتھی کا جو قتل کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو گیا تھا۔ حکم دریافت کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اس کی طرف سے ایک بردہ آزاد کرو، بردہ کے ہر عضو کی آزادی کی وجہ سے اس کا ہر عضو دوزخ سے آزاد

[1] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۰۳ [2] ایضاً

ہو جائے گا[۱]۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل عمد کا کفارہ دوزخ سے آزاد ہونے کے لیے واجب ہے، اس لیے بردہ آزاد کرنا چاہیے۔

احناف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام احمدؒ، ابوداؤد، نسائی ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کی ہے۔ لیکن اس روایت میں صرف اتنا ہے کہ ہمارا ساتھی مستحق ہوگیا۔ لیکن کس چیز کا؟ قصاص کا یا دیت کا، یا دوزخ کا؟ اس کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی۔ دوزخ کا لفظ چونکہ اس روایت میں نہیں ہے لہٰذا یہ حدیث دعویٰ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اور امام موصوف کا قیاس بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ قتل عمد خالص گناہ کبیرہ ہے۔ کفارہ دے کر اس سے طہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور قتل خطاء کی حالت اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک حیثیت عدم مواخذہ کی ہے۔ اس لیے کہ خطاء میں مواخذہ نہیں ہوتا۔ اور دوسری حیثیت گناہ کی ہے۔ کیونکہ احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ لہٰذا اس سے طہارت کی شکل ہے۔ جو عبادت اور سزا کے درمیان دائر ہے یعنی بردہ کی آزادی فی الجملہ عبادت بھی ہے اور آزاد کرنے والے کے لیے سزا بھی[۲]۔

اور قتلِ عمد میں کفارہ نہ ہونے کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ہوتا ہے جس کو ابن الجاشیہ، بخاری مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ اس روایت میں جن چیزوں پر کفارہ لازم نہ ہونا بیان کیا گیا ہے اُن میں ناحق قتل بھی شامل ہے[۳]۔

قتل کی چوتھی قسم ———— قتل قائم مقام خطاء

دفعہ ۱۹

۱۔ اس قتل کی تعریف فقہاء نے بذریعہ مثال بیان کی ہے۔ مثلاً یہ کہ: جیسے کوئی سویا ہوا آدمی اپنی کروٹ بدلتے میں کسی کے اوپر جا پڑے اور وہ مرجائے[۴]۔ نیز جیسا کہ اوپر سے کوئی چیز کسی کے

---

[۱] بحوالہ تفسیر مظہری۔ تحت قولہ تعالیٰ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً۔

[۲] ایضاً [۳] ایضاً

[۴] ہدایہ جلد ۴ ص ۵۶۱۔

اُوپر گر پڑے اور وہ مر جائے یا یہ کہ کسی جانور پر سوار ہو اور وہ جانور کسی انسان کو مار ڈالے[1]۔

ب۔ اس قتل کی سزا وہی ہے جو قتل خطاء کی ہے یعنی قاتل پر قصاص واجب نہ ہوگا اور اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی اور قاتل پر کفارہ واجب ہوگا۔

ج۔ قاتل، مقتول کی میراث سے بھی محروم ہوگا[2]۔

تشریح:۔ قتلِ خطاء اور قتلِ قائم مقام خطاء میں فرق یہ ہے کہ قتل خطاء میں فعل مقصود ہوتا ہے بخلاف قتل قائم مقام خطاء کے کہ اس میں فعل سرے سے مقصود ہی نہیں ہوتا۔ یہ اتفاق اور حادثاتی نوعیت کا قتل ہوتا ہے۔

قتل کی پانچویں قسم ـــــ قتل بالسبب

دفعہ نمبر ۲۰۔ قتل بالسبب کی تعریف۔

ا۔ مثلاً ایک شخص غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھودے اور اس کنویں میں گر کر کوئی شخص ہلاک ہو جائے یا یہ کہ دوسرے کی زمین میں پتھر رکھدے اور وہ پتھر کسی کی موت کا سبب بن جائے[3]۔

ب۔ سزا۔ قاتل کی عاقلہ پر دیت ادا کرنا واجب ہوگا۔ البتہ اس جرم میں قاتل پر کفارہ عائد نہ ہوگا اور نہ ہی وہ مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا[4]۔

تشریح:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ قتل، قتل خطاء کے ساتھ ملحق ہوگا لہٰذا جو احکام قتلِ خطاء کے ہیں وہی اس قتل کے بھی ہوں گے۔ اور اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً " عام ہے جس میں یہ قسم بھی داخل ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ قتل کنواں کھودنے یا پتھر رکھنے والے سے صادر ہی نہیں ہوا۔ اس لیے قتل خطاء کے پورے احکام

---

[1] المحیط بحوالہ کتاب الاختیار مترجم ص ۱۸۶

[2] الجوہرۃ النیرہ ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۶۱

[3] ہدایۃ۔ جلد ۴ ص ۵۶۱ [4] ایضاً

اس میں جاری نہیں ہو سکتے۔ البتہ حفاظتِ دم کی خاطر صرف ضمانت کی حد تک قتل خطاء کے ساتھ لاحق ہوگا کیونکہ سببِ قتل اسی شخص نے پیدا کیا ہے[1]

فصل نہم ——— دِیتِ نفس

دفعہ ۲۱ - شبہ عمد کی دیت ۔

قتل شبہ عمد کی دیت بصورتِ نقود ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا اس کے مساوی بازاری قیمت ہے[2] ۔ یہ رقم قاتل کی عاقلہ ادا کرے گی ۔ اور خود قاتل بھی حصہ دار ہوگا[3]

تشریح ۱

دیت کا ثبوت قرآن پاک سے :-

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً	جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کرے تو
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ	اس پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا واجب ہے ۔
مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ	اور خون بہا بھی واجب ہے جو اس کے خاندان
يَصَّدَّقُوا ۔	والوں کے حوالے کر دیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ
(سورۃ نساء)	خون بہا معاف کر دیں ۔

ثبوت حدیث سے :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کی طرف اہل یمن کے لیے ایک تحریر لکھوائی تھی، جس میں فرائض و سنن کے علاوہ دیات کا ذکر بھی موجود ہے ۔ آپ نے فرمایا :-

" فی القتل الدیۃ مائۃ من الابل "[4]

---

[1] ہدایہ - جلد ۴ ص ۵۶۱

[2] البحر جلد ۸ ص ۳۷۴ دار المعرفۃ بیروت ۔

[3] البدائع - جلد ۷ ص ۲۵۵

[4] رواہ نسائی - بحوالہ مشکوٰۃ - باب الدیات، فصل ثانی ۔

تشریح ۲ - اجناسِ دیت -

اُوپر دیت کی ادائیگی بصورت نقود ذکر کی گئی ہے - کیونکہ ہمارے ملک میں قابلِ عمل صورت یہی ہے ورنہ دیت دوسری اجناس کی صورت میں بھی ادا ہو سکتی ہے جس کا تفصیلی ذکر مندرجہ ذیل ہے -

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک دیت کی تین جنسیں ہیں - درہم، دینار اور اُونٹ - البتہ درہم کی مقدار کے بارے میں اُن کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے -

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس ہزار درہم دیت ہے جب کہ امام مالکؒ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہے -

امام شافعیؒ کا پہلا قول امام مالکؒ کے موافق ہے اور ان کا جدید قول یہ ہے کہ دیت مقررہ صرف اونٹوں کے اندر ہی ہے - باقی اجناس کی حیثیت مستقل دیت کی نہیں ہے بلکہ اسی جنس سے ماخوذ ہیں -

امام شافعیؒ اپنے قولِ جدید کی دلیل میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث ذکر فرماتے ہیں یعنی یہ کہ " اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا اِنَّ دِیَۃَ الخطاء شبہ العَمَدَ ما کان بالسَّوطِ والعصا مأۃٌ من الابل منہا اربعون فی بطونہا اولادھا "[1]-

اس حدیث سے واضح ہے کہ کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے قتل شبہ عمد ہوتا ہے اور اس میں سو اُونٹ بطورِ دیت واجب الادا ہوتے ہیں جن میں سے چالیس حاملہ اُونٹنیاں ہیں - اُن کے نزدیک اگر اُونٹ کی جنس نہ ملے تو اُن کی قیمت خواہ کتنی ہو واجب الادا ہوگی[2]-

علاوہ ازیں امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل شبہ عمد اور قتلِ خطاء کی دیات کے درمیان فرق کیا ہے - یعنی یہ کہ شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے اور قتل خطاء میں دیت مخففہ ہے - یہ فرق صرف اُونٹوں کی صورت میں ہی ممکن ہے - کیونکہ درہم اور دینار میں تغلیظ نہیں ہو سکتی - نیز اونٹوں میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جب کہ باقی اجناس میں اختلاف پایا جاتا ہے - ان وجوہات کی بنا پر

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۷ ص ۴۳ - ملتان

[2] ایضاً

وہ دیت مقدرہ صرف اونٹ کی جنس میں تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اونٹ درہم اور دینار تینوں اجناس دیت مقدرہ کہلاتی ہیں۔ قاتل ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے[1]۔

امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح اور ایک روایت کی بناء پر امام احمد رح کے نزدیک اونٹ، سونا، دراہم دوصد گائیں۔ دو ہزار بکریاں اور دوصد جوڑے کپڑے[2]۔ یہ چھ اجناس دیت مقدرہ ہیں، ان میں سے قاتل کو کسی ایک جنس کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔

امام ابو یوسف رح بطور دلیل یہ روایت بیان فرماتے ہیں "حدثنی محمد بن اسحاق عن عطا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع الدیۃ علی الناس فی اموالھم علی اھل الابل مائۃ بعیر وعلی اھل الشاۃ الفی شاۃٍ وعلی اھل البقر مائتی بقرۃٍ وعلی اھل البرد مائتی حلۃ"[3]

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر اس کی حجیت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ امام ابو داؤد رح نے اپنی سنن کے اندر اسی روایت کو ابو تمیلہ۔ یحیی بن واضح عن محمد بن اسحاق عن عطاء عن جابر کی سند سے متصلاً ذکر کیا ہے[4]۔

اس روایت سے سند میں اتصال کی صفت پیدا ہو گئی اور ارسال کا ضعف جاتا رہا۔ البتہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت کو اس روایت کے معارض پیش کیا جا سکتا ہے جس سے امام شافعی رح کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ "اِنّ الدِّیۃَ کانت علی عھدِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمان مائۃ دینار او ثمانیۃ آلاف درھم ودیۃ اھل الکتاب یومئذٍ النصف من الدیۃ المسلمین فکان کذلک حتی استخلف عمر فقام خطیبا فقال ان الابل قد غلت قال ففرضھا عمر علی اھل الذھب الف دینار وعلی اھل الورق اثنی عشر دینار وعلی اھل البقرۃ مائتی بقرۃ وعلی اھل الشاۃ الفی شاۃ

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ - جلد ۷ - ص ۸۳ - ملتان [4] ایضاً

[2] کتاب الخراج لابی یوسف رح فصل ۳ - قصاص - دیت -

[3] ابوداؤد باب فی الدیۃ جلد ۲ ص ۲۶۴ -

وعلى اهل الحلل مائة حُلّة، قال وترك دية اهل الذمة لم يرفعها فيما رفع من الدية" [1]

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف تھی۔ چنانچہ اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اب اُونٹ مہنگے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے سونے والوں پہ ہزار دینار، چاندی والوں پہ بارہ ہزار دینار اور گوالوں پہ دو سو گائیں اور بکری والوں پہ دو ہزار بکریاں اور کپڑے والوں پہ سو جوڑے کپڑے دیت مقرر کی لیکن اہل ذمہ کی دیت اسی طرح رکھی۔ اس میں زیادتی نہیں کی۔"

اس روایت سے واضح ہے کہ دیت میں اصل اُونٹ ہیں۔ باقی اجناس اس کی فرع ہیں اور مستقل اجناس نہیں ہیں۔ کیونکہ اُونٹوں کے مہنگا ہونے کی وجہ سے ہی باقی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

لیکن یہ بات تحقیق پہ مبنی نہیں ہے اس لیے کہ اگر اس روایت کو قبول کیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کی ہے حالانکہ اُن کی ذات پہ اس طرح کا شبہ کرنا بھی غلط ہے۔

لازم اس طرح آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف مقرر کی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نصف سے کم کر کے تیسرا حصہ مقرر کر دی کیونکہ اس روایت میں واضح ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف تھی۔ اس اعتبار سے مسلمان کی دیت چونکہ آٹھ ہزار درہم تھی تو اہل ذمہ کی دیت اس کا نصف چار ہزار ہوئی۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی دیت بارہ ہزار کر دی تو اہل ذمہ کی دیت اس کا نصف چھ ہزار درہم ہونا چاہیے تھی۔ لیکن اس روایت کے تحت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل ذمہ کی دیت میں اضافہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ اسی طرح چار ہزار درہم ہی رہی جو بارہ ہزار درہم کا ثلث یعنی تیسرا حصہ ہے۔

[1] ابوداؤد - باب الدية كم هي جلد ۲

اس روایت کا حاصل یہی نکلے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقررہ تعداد میں تصرف کر کے تیسرا حصہ مقرر کیا ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابی سے یہ جرأت ممکن نہیں ہے۔

دوسری خامی یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی" جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایک دینار دس درہم کے برابر تھا۔ لہٰذا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ ذہب (سونے والوں) پر ایک ہزار دینار دیت مقرر کی تو اس کے مقابلے میں اہل فضہ (یعنی چاندی والے) پر دس ہزار درہم دیت ہونا چاہیے تھی۔ کیونکہ آپ نے ایک دینار کو دس درہم سے ضرب دی ہے، مگر روایت میں اس کے خلاف بارہ ہزار درہم کو ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق بات وہی ہے جو محمد بن اسحٰق کی روایت متذکرہ میں موجود ہے۔ جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے یعنی یہ کہ کیا چاندی کی صورت میں دیت دس ہزار درہم ہے یا بارہ ہزار۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

احناف کے نزدیک دیت دس ہزار درہم ہے اور اہل مدینہ کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہے۔ احناف کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن ابی لیلیٰ نے بروایت شعبی، بروایت عبیدہ السلمانی بیان کی ہے، یعنی یہ کہ:

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سونا رکھنے والوں کے لیے دیت کی مقدار ہزار دینار اور چاندی والوں کے لیے دس ہزار درہم مقرر کی ہے[1]

اور اہل مدینہ کی دلیل وہ روایت جو بروایت عکرمہ، بروایت ابن عباس مروی ہے۔ "بنی عدی قبیلہ کا ایک مرد قتل ہوا تو اس کی دیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار (درہم) مقرر کی"[2] روایت کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف۔ باب حدود، تعزیرات۔

[2] ابوداؤد۔ باب والدیۃ کم ہی۔ جلد ۲۔

راشدین کے زمانے میں درہم دو قسم کے تھے۔ ایک قسم میں دس درہم ایک دینار کے برابر تھے اور دوسری میں بارہ درہم ایک دینار کے مساوی تھے۔ ان اقسام کی قیمت اور وزن مختلف تھا۔ پہلی قسم میں ایک درہم سات دانگ کا تھا اور دوسری قسم میں ایک درہم چھ دانگ کا۔ اور ان دونوں اقسام کے مطابق فیصلہ جات بھی ہوتے تھے۔ کبھی فیصلہ پہلی قسم کے مطابق ہوتا اور کبھی دوسری قسم کے مطابق۔ لہٰذا روایات میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے[1]۔ رہی یہ بات کہ ان اقسام کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کی ایک دلیل وہ روایت ہے جو بروایت مجاہد عن ایمن مروی ہے کہ "ڈھال کی قیمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دینار یا دس درہم تھی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک دینار برابر دس درہم تھے۔ اس روایت کی تائید عمر بن شعیب عن ربیہ عن جدہ کی مذکورہ روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "دیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی"۔ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ "لا تقطع الید الا فی دینار او عشرۃ دراھم" یعنی "ہاتھ صرف ایک دینار یا دس درہم پر کاٹا جائے گا[2]"۔ ظاہر یہی ہے کہ ان حضرات نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے، بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کیا ہوگا۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک دینار دس درہم کے مساوی تھا۔ علاوہ ازیں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سونے کا نصاب بیس دینار ہے اور چاندی کا دو سو درہم، تو اس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ دینار دس درہم کے مساوی تھا۔ (مرقات جلد ۷، ص ۸۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ربع دینار پر ہاتھ کاٹو اس سے کم پر نہ کاٹو اور ربع دینار یعنی دینار کا چوتھا حصہ اس وقت تین درہم کے برابر تھا۔ اور ایک دینار بارہ درہم کے برابر ہوا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک دینار بارہ درہم کے مساوی تھا۔

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ اس وقت دونوں قسم کے درہم موجود تھے[3]۔ لہٰذا جہاں ایک دینار کے

---

[1] اعلاء السنن۔ جلد ۱۸۔ ص ۱۳۲

[2] ایضاً۔

مقابلہ میں دس درہم کا ذکر کیا ہے وہاں ایک درہم چھ دانگ کا ہوگا ۔ جہاں تک احناف کا اپنے اندر اختلاف کا تعلق ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ اونٹ ، درہم اور دینار تینوں اجناس کو دیت مقدرہ قرار دیتے ہیں اور ہر کو ان میں سے ایک کو ادا کرنا ہوگا ۔ اور امام ابو یوسفؒ ان تین کے علاوہ گائے ، بکری اور کپڑوں کو بھی ، یعنی چھ اجناس کو دیت قرار دیتے ہیں ، اور قاتل کوئی ایک جنس اختیار کرنے کا مجاز ہے ۔ اس کے بارے میں صاحب اعلاء السننؒ فقہاء کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ در حقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ اونٹ ، درہم اور دینار کے سوا کسی جنس کو نہیں لیتے تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان تین اجناس کے علاوہ بقیہ کو ناجائز اور ممنوع سمجھتے تھے بلکہ مطلب اُن کا یہ ہے کہ امام صاحب ان تین اجناس کے اختیار کرنے کو اَولیٰ اور بہتر سمجھتے تھے ۔ کیونکہ درہم اور دینار تو متعین چیزیں ہیں ، ان میں نزاع کا کوئی احتمال نہیں ہے اسی طرح اُونٹ بھی بنسبت گائے اور بکری کے دِیت میں اصل ہیں ، اور اصل کا اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ امام محمدؒ کتاب المعاقل کے اندر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دو سو گائیں اور دو سو جوڑے کپڑوں سے زائد پہ صلح کرے تو یہ صحیح نہ ہوگی ۔ اس میں انہوں نے امام ابو حنیفہ کا اختلاف ذکر نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی کپڑوں اور بکریوں وغیرہ کی دِیت اسی طرح مقدرہ ہے جس طرح اونٹوں کی مقدرہ ہے۔[1]

نمبر ۳

اُونٹ کی جنس میں فقہا کا اختلاف ۔

فقہاء کا اس بات میں تو اتفاق ہے کہ شبہ عمد کی دِیت بصورت اُونٹ بمقدار ایک سو اُونٹ ہے البتہ ان کی کیفیات میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شبہ عمد کی دیت میں سو اونٹ ارباعاً یعنی اُن کے چار حصے کر کے ادا کیے جائیں گے جن کی عمریں مختلف ہوں گی۔[2]

ا ۔ پچیس بنتِ مخاض (وہ اونٹنی جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو)

---

[1] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۳۵   [2] ایضاً

۲۔ پچیس بنت لبون (وہ اونٹنی جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو)۔

۳۔ پچیس حقہ (وہ اونٹنی جس کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو)

۴۔ پچیس جذعہ (وہ اونٹنی جس کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو)

ان کی دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں شبہ عمد کی دیت ارباعاً مذکورہ ترتیب پر بیان کی گئی ہے[۱]

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ اثلاثا یعنی اونٹوں کے تین حصے کر کے دیت کو واجب الادا قرار دیتے ہیں۔

۱۔ تیس حقہ

۲۔ تیس جذعہ

۳۔ چالیس ثنیہ۔ یعنی ایسی اونٹنیاں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت ہے کہ:۔

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ان فی قتیل عمد الخطاء قتیل السوط والعصا مائۃ من الابل منہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا"[۲]۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سن لو! شبہ عمد میں یعنی کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے قتل میں سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں ہیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں"۔

عمرو بن شعیب عن ربیعہ عن جدہ کی روایت میں ہے کہ:۔

قال من قتل متعمداً دفع الیٰ اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوہ وان شاؤا اخذ والدیۃ وھی ثلاثون حقۃ وثلاثون جذعۃ واربعون خلفۃ وما علیہ فھو لھم[۳]

---

[۱] احکام القرآن جلد ۲ ص ۲۳۴۔ باب اسنان الابل

[۲] بحوالہ المغنی جلد ۹ ص ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ واعلاء السنن ج ۱۸ ص ۱۲۴۔

[۳] المغنی جلد ۹ ص ۴۹۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو قصداً قتل کرے تو وہ اولیاء مقتول کے حوالے کیا جائے گا۔ وہ اگر چاہیں تو اس کو قتل کریں۔ اور چاہیں تو دیت وصول کریں اور دیت تیس حقہ، تیس جذعہ اور چالیس خلفہ (یعنی حاملہ اونٹنیاں) ہیں اور جس پر اس سے صلح کریں وہ انہی کے لیے ہے۔

اونٹوں کی جو عمر قتلِ عمد میں بیان کی گئی ہے۔ وہی شبۂ عمد میں بھی ہوگی۔[1]

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ اونٹوں کے چار حصے کیے جائیں یا تین، دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ نے عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ جب کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے عبداللہ بن عمرو کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ یہ مرفوع حدیث ہے، اور عبداللہ بن مسعود کی روایت موقوف ہے۔

عبداللہ بن مسعود کی روایت اگرچہ صورۃً موقوف ہے مگر حقیقۃً یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ دیات کی مقادیر میں کسی رائے کو دخل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سائب بن یزید کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ "کانت الدیۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارباعاً الخ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت چار حصے (کر کے ادا ہوتی) تھی۔

صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیت "ارباعاً" تھی، مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس کی مزید تائید عبیدہ بروایت عبداللہ سے بھی ہوتی ہے جو بیہقی نے یزید بن ہارون کے طریق سے بیان کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعود کی روایت کو موقوف ہونے کا نقص نکال کر مرجوح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو جب دونوں روایتیں درجہ میں برابر ہوگئیں تو امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ نے عبداللہ بن مسعود کی روایت کو ترجیح دی کیونکہ وہ اور افقہ یعنی نسبتاً فقہ کو زیادہ سمجھنے والے تھے۔[2]

امام ابوبکر جصاص حنفی نے احکام القرآن کے اندر "ارباعاً" کی روایت کی ترجیح اس طرح بیان کی

---

[1] المغنی۔ جلد ۹ ص ۴۹۱

[2] اعلاء السنن جلد ۱۸ ص ۱۲۴

ہے کہ حدیث میں سو اُونٹوں کی تعداد کو دیت مقرر کیا گیا ہے ۔ یہ دیت مغلظہ ہے جس میں اثلاثاً اور اربا عاً دونوں شامل ہیں ۔ البتہ اگر چار حصے کیے جائیں تو تغلیظ کم ہوگی اور اگر تین حصے کیے جائیں تو تغلیظ زیادہ ہوگی ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ چار حصے کرنے میں تو اتفاق ہے البتہ تین حصے کرتے ہیں اختلاف ہوا ہے ۔ لہٰذا تین کے بجائے چار حصے کرنا بہتر ہے[1]

امام احمدؒ کی دو روایتیں منقول ہیں ۔ ایک جماعت نے امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اُن کی روایت نقل کی ہے ۔ اور دوسری جماعت نے امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ، امام مالکؒ ، سلیمان بن یسار ، ربیعہ اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی امام ابو حنیفہؒ کی موافقت کی ہے[2]

رہی یہ بات کہ کیا تغلیظ صرف اُونٹوں کی جنس کے ساتھ ہی خاص ہے ؟

امام مالکؒ کے نزدیک اُونٹوں کے ساتھ ہی نہیں ہے بلکہ سونے اور چاندی کی اجناس میں بھی دیت مغلظہ عائد ہوگی ۔ وہ اُونٹوں پر قیاس کر کے دوسری اجناس کے اندر بھی تغلیظ کرتے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ دوسری اجناس کے اندر تغلیظ نہیں کرتے ۔ وہ دلیل میں فرماتے ہیں کہ تغلیظ ایک امر توقیفی ہے ۔ جس کا ذکر صرف اُونٹوں کے ساتھ ہی شارع نے کیا ہے ۔ لہٰذا اس پر دوسری اجناس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ علاوہ ازیں اُونٹوں کے اندر تغلیظ اُن کے عمروں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے مگر یہ بات دراہم و دینار کے اندر ممکن نہیں ہے ۔ کیونکہ ان اجناس کے اندر اگر تغلیظ پیدا کریں تو سونے اور چاندی کا وزن بڑھ جائے گا ۔ جس سے شریعت کی مقررہ مقدار کی خلاف لازم آئے گی[3]

(باقی)

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۴

[2] المغنی جلد ۹ صفحہ ۴۸۹

[3] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۳۵

رحمت للعالمین

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

حضورؐ کی ایک شان رحمت للعالمین بھی ہے۔ ہر کسی کے لیے ہر حالت میں ہر وقت آپ رحمت کا سایہ ہیں۔ بلبلاتے ہوئے اُونٹ بھی آپؐ کے پاس فریاد لے کر آتے ہیں کہ انہیں اُن کے مالک نے بھوکا رکھا اور زیادہ بوجھ لادتا ہے۔ غلاموں کے لیے آپ کی ہستی ایک ڈھال کی مانند ہے۔ اگر عبداللہ بن مسعودؓ جیسے بزرگ صحابی بھی اپنے غلام پر کچھ سختی کرتے پائے جاتے ہیں۔ تو یکایک محبت سے آواز دیتے ہیں کہ عبداللہ تمہیں اس غلام پر اتنا تصرف اور قدرت حاصل نہیں ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کو تم پر حاصل ہے اور وہ اللہ کے خوف کے مارے اُسے فی الفور آزاد کر دیتے ہیں۔ بوڑھی عورتیں، یتیم بچے، بیوگان اور محتاج و مسکین اور بے سہارا لوگ سب حضورؐ کو اپنا خاص الخاص سرپرست سمجھتے ہیں اور ان کا حصہ باقاعدہ نظامِ دین کے اندر مقرر کیا جاتا ہے۔ حضورؐ کا تو یہ عالم ہے کہ مسجد نبوی میں کھجور کے تنے کا ستون بھی اگر آپ کے فراق میں فریاد کرتا ہے تو حضورؐ اس کے پاس جا کر اسے تسلّی و تشفی دیتے ہیں۔ رحمت و کرامت میں آپ کی شان نرالی ہے۔ ایک پیاسے کتے کو بھی پانی پلانے سے جنت کی بشارت مل جاتی ہے اور ایک بلی کو باندھ کر بھوکا مار دینے سے بھی جہنم کی وعید سنائی جاتی ہے۔ غرض رحمت و شفقت کے اس وسیع سمندر کا احاطہ کون کر سکتا ہے جو حضور اکرمؐ کی شخصیت اور سیرت کی صورت میں پوری انسانیت کے درمیان ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور بے پایاں اور بے کراں ہے۔

حضورؐ کی ایک شان یہ ہے کہ آپ جامع کلام والے ہیں اور آپ کی وضاحت کے آگے

ہر دو سرے کی وضاحت کر رہے ہے۔ آپ کی باتیں حکمت کی باتیں ہیں، ایک ایک جملے میں معانی کا دریا موجیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ آپ چند جملوں میں پورا دین اور اس کا مغز بیان فرما دیتے ہیں۔ آپ ایک جملے میں انسانی زندگی کی فلاح کے لیے ایک کامل منصوبہ دے دیتے ہیں۔ آپ ایک شخص کو مختصر ترین الفاظ میں ایسی نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس پر آسانی سے عمل بھی کر سکتا ہے اور فلاح بھی پا سکتا ہے۔

آپ کی شان یہ بھی ہے کہ آپ صاحبِ معراج ہیں۔ آپ کو راتوں رات مکہ سے بیت المقدس لے جایا گیا۔ اور آپ نے بیت المقدس میں امامت انبیاء کی۔ اس کے بعد آپ کو آسمان تک اُٹھایا گیا اور یکے بعد دیگرے مختلف آسمانوں پر آپ کا استقبال انبیاء نے کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پچاس نمازوں کا حکم ہوا، جسے رعایت کی درخواست کے ساتھ پانچ کر دیا گیا۔ لیکن اُن کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہی رکھا گیا۔ آپ نے اسرارِ کائنات سے آگاہی حاصل کی اور آپؐ نے جنت اور دوزخ کا بچشمِ خود مشاہدہ کیا تاکہ عین الیقین کے ذریعے حق الیقین بھی حاصل ہو جائے۔ آپ نے مختلف لوگوں کو مختلف گناہوں کی پاداش میں مختلف عذابوں میں مبتلا پایا۔ اور آپ نے انسانیت کے لیے رہنمائی کا چودہ نکاتی ہدایت نامہ حاصل کیا جو قرآن میں درج ہے۔

معراج کی یہ شان حضورؐ کی ہی خصوصیت ہے۔

آپ کی یہ بھی شان ہے کہ آپ نے اپنے سے پہلے سب انبیاء کی تصدیق کی اور انہیں اپنے بھائی کہا اور اُن کے دین کو اسلام ہی قرار دیا۔ آپ کو ایک ماہ کی مسافت سے زیادہ دُوری تک رعب کے ذریعے مدد دی گئی اور آپ کے سروسامان کے مقابلے میں آپ کا دبدبہ اور رعب دشمنوں پر ہیبت بن کر چھایا رہا۔ آپ کے لیے پہلی بار غنیمت کو حلال کیا گیا، جب کہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت حلال نہ تھا۔ آپ کے لیے ساری زمین کو مسجد قرار دیا گیا۔ چونکہ آپ ساری زمین اور اس کی آبادی کی طرف رسول بن کر آئے تھے ورنہ آپ سے پہلے کی اُمتوں میں خاص عبادت گاہوں کے سوا باہر کہیں عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ روئے زمین کو مسجد قرار دینے میں یہ نکتہ بھی مضمر ہے کہ یہ دین پوری انسانیت کا دین ہے۔ اور یہ دینِ فطرت ہے۔ سابقہ دینوں کی بہت سی پابندیوں کو اُٹھا کر دین کو سب کے لیے سہل اور عام کر دیا گیا ہے۔ یہ انسان کو وہ سب سہولتیں فراہم کرتا ہے جو اُس کی عقل اور فطرت بجا طور پر طلب کرتی ہے۔ حضورؐ کی یہ شان بھی نرالی ہے کہ آپ کو روزِ محشر اذنِ الٰہی سے

شفاعت کا مقام دیا گیا ہے۔ جب تمام مخلوق نفسی نفسی پکار رہی ہو گی تو آپ اپنی امت کی شفاعت کے لیے تشریف لائیں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ آپ کی یہ شان بھی ہے کہ آپ صبر و شکر کرنے والے ہیں۔ اور صبر و شکر میں آپ کا مقام نہایت درجہ بلند ہے۔ آپ نے زندگی کے مشکل ترین مراحل گزارے، بے حد سختیاں برداشت کیں۔ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، گھر سے بے گھر کیے گئے۔ لیکن آپ کا دل صبر سے معمور رہا اور آپ کی زبان اپنے مالک کے شکر سے تر رہی۔

حضورؐ کی بہت بڑی شان یہ ہے کہ آپ فقر کے شہنشاہ ہیں، دولت کے دریا آپ کے پاؤں میں بہتے ہیں۔ لیکن آپ کے پاؤں کا تلوا بھی اس سے آلودہ نہیں ہوتا۔ مال و دولت اور مالِ غنیمت ہر چار طرف سے مدینہ کی گلیوں میں بٹ رہے ہیں۔ لوگوں کو مدینہ کی وادی کے برابر بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ دیے جا رہے ہیں۔ لیکن حضورؐ کے گھر میں وہی کھجور کا بوریا ہے، کھجور کی غذا ہے اور مرمت کیے ہوئے کپڑوں اور دھلے ہوئے لباس کا استعمال ہے۔ حضورؐ کی پیٹھ پر کھجور کی چٹائی سے نشان پڑ جاتے ہیں، جنہیں دیکھ کر حضرت عمرؓ آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ہیں۔ لیکن حضورؐ پرسکون ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ سب میرے لیے نہیں ہے، میری حالت تو دنیا میں اُس مسافر جیسی ہے جو ذرا سی دیر کے لیے ایک سایہ دار درخت کے نیچے دم لیتا ہے اور پھر اُٹھ کر منزل کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے اور حضورؐ فرماتے ہیں دیکھ کیا کہتا ہے، جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرے فقر اس کی طرف یوں آتا ہے۔ جیسے پانی ڈھلوان کی طرف آتا ہے۔ لوگ عیش و آرام سے سوتے ہیں اور حضورؐ مملکت کے سربراہ ہونے کے باوجود فقر و فاقہ سے گزارتے ہیں۔ آپ کو فقر پر فخر ہے اور اپنے آپ کو مساکین میں شمار کرتے اور اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ آپ کا حشر بھی مساکین کے ساتھ ہو۔ فقر حضورؐ کے سر کا تاج ہے اور یہی تاج فخرِ انسانیت ہے۔

حضورؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کرنے والے ہیں، اس سے پہلے دعوتِ دین مسکینی اور کمزوری کی حالت میں دی جاتی رہی اور انبیاء کو قوموں نے اپنے اندر ہمیشہ ضعیف ہی تصور کیا۔ لیکن آپ ایک ایسی شریعت لے کر آئے جو غالب ہونے والی تھی اور جسے تمام ادیانِ باطل پر غالب کرنا حضورؐ کا مشن تھا۔ اس لیے حضورؐ دین کو قوتِ بازو کے ذریعے غالب

کرنے پر مامور تھے۔ آپؐ نے غلبۂ دین کے لیے خدا کے سوا کسی سے کوئی رعایت طلب نہیں کی۔ خدا کے سوا کسی سے کوئی سہولت نہیں مانگی، خدا کے سوا کسی سے کوئی پناہ نہیں لی۔ آپ نے باطل کے لوہے سے حق کا لوہا ٹکرایا اور باطل کو قوت سے زیر کیا۔ اور یہ کہہ کر زیر کیا کہ باطل تو زیر ہی ہونے کے لیے ہے۔ غلبہ اور تفوق باطل کا حق اور حصّہ نہیں ہے۔ اور جب حق میدان میں ہو تو حق یہی ہے کہ وہ غالب ہو اور باطل پست ہو اور حضور کی شانِ رسالت یہی تھی کہ آپ کے سامنے باطل پست ہو کر رہے۔ چنانچہ باطل کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا، اُسے سرنگوں کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانا، اُسے بے دخل کرنے کے لیے اپنے سارے ذرائع جھونک دینا اور اُسے قوت و تدبیر کے ساتھ زیر کرنا اور یہ حضور کی شریعت کا طرۂ امتیاز ٹھہرا۔ مسلمان کو مجاہد بنا کر کھڑا کیا گیا۔ اور اس کی ان تمام مساعی کو جہاد قرار دیا گیا جو باطل کو زیر کرنے کے لیے عمل میں لائی جائیں۔ جب جہاد کی نفیر بج جائے تو پھر تمام دیگر حقوق اور پابندیاں ساقط ہو کر صرف فریضۂ جہاد ہی قائم رہ جاتا ہے۔ پھر غلام کو آقا سے اور بیٹے کو باپ سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اس لیے کہ سب سے بڑی عظیم ہستی کے حق کے قیام کا مسئلہ جب سامنے آجائے تو پھر دوسرے سارے حقوق پست اور ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے اور اس قوت و شجاعت کے مظاہرے نے دینِ اسلام کو وہ غلبہ دیا جو اس سے پہلے کے انبیاء کی دعوتوں کو حاصل نہ ہو سکا، اس لیے کہ غلبہ کا راستہ قوت کے استعمال کا راستہ ہے اور حق کے لیے قوت کا استعمال ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے اور یہی وہ جہاد ہے جس کے لیے حضورؐ اکرم نے خود فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں خدا کی راہ میں جہاد کروں۔ پھر شہادت پاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر جہاد کروں، پھر شہادت پاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر جہاد کروں اور شہادت پاؤں۔ حضورؐ نے یہ بات بار بار دہرائی اس لیے کہ دین کی حقیقی زندگی اور اس کے غلبہ کا راز جہاد فی سبیل اللہ میں ہی پوشیدہ ہے اور یہ شان حضور کو ہی حاصل ہے کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ کو لے کر تشریف لائے اور اس کے زور سے حق کو باطل پر غالب کر دیا۔

حضورؐ کی شانیں بے پایاں، اتھاہ اور بے کراں ہیں۔ حضورؐ کی شان کی کوئی مثال نہیں ہے۔ نسلِ انسانی میں حضورؐ ہنوز بے مثل اور لاجواب ہیں۔

رسائل و مسائل:-

زکوٰۃ و عُشر کے اجراء سے پیدا ہونے والے چند سوالات

سوال:- نفاذِ شریعت کے سلسلے میں ۱۲ ربیع الاول کے مبارک دن کو جو ابتدائی روشن اور محکم اقدامات ہوئے ہیں، اُن کے لیے بانی تحریک اسلامی اور پوری جماعت اسلامی کو مبارک باد ہو، نیز ہر اس عالم و عامی کو جس نے اس مقصد کے حصول کی تمنا کی اور اس میں حصّہ لیا۔ بعدازاں ساری ملت کے سامنے بھی ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ اس کے لیے سعادت کی راہیں کھل گئیں۔

اب میرے چند سوالات ہیں، ان کا جواب مختصراً مطلوب ہے۔

۱۔ اہلِ تشیع نے زکوٰۃ و عُشر اور حدود کے متعلق اختلافی نقطۂ نظر کو چھیڑ دیا ہے۔ اگر یہ طرزِ فکر جاری رہا تو اور سب گوشوں سے بھی آوازیں اُٹھ کر "کثرتِ تعبیرہا" سے نفاذِ شریعت کو خوابِ پریشاں بنا سکتی ہیں۔ بی بی سی اس خبر سے بہت خوش ہے۔ اور اس نے دل کی بات یوں کہہ دی ہے کہ نفاذِ شریعت کوئی آسان معاملہ نہیں۔

۲۔ زکوٰۃ و عشر کے جمع و صرف میں خیانت کے سدّباب کے بغیر آخر اہلِ احتیاج کیا کریں گے دیہات میں تو خیر ان کو پہچاننا آسان ہے، شہر میں بڑی مشکل پیش آئے گی۔ پھر مستحقین اپنے حقوق وصول کرنے کے لیے دھکے کھاتے پھریں گے۔

۳۔ موجودہ دَور میں مسافروں کے لیے کیا کام کیا جاسکتا ہے، نیز گداگری کا انسداد کیسے ہوگا۔

۴۔ زکوٰۃ کے سامنے انکم ٹیکس کو جوں کا توں رکھنا تو یوں بھی غلط ہے۔ پھر خاص طور سے انکم ٹیکس کا تو سارا ڈھانچہ ہی غلط ہے۔ میری نظر ملازموں، ادیبوں اور صحافیوں کے انفرادی

انکم ٹیکس پر ہے، موجودہ نظام میں بڑی زیادتی ہوتی ہے۔ کیا آئندہ کوئی تبدیلی آسکتی ہے۔

۵۔ اب تک درمیانہ کلاس کے جو لوگ اپنی پس انداز رقوم فکس ڈیپازٹ میں جمع کرا کے یا سرمایہ کاری اداروں میں حصہ لے کر یا کسی اور طرح اپنی رقوم کو حصولِ منافع کے لیے استعمال کرتے تھے، اب اُن کی رقوم موجودہ سودی سسٹم میں تو لگائی نہیں جائیں گی، اور شرکت و مضاربت پر اگر کہیں لگائی گئیں تو رقم ڈوب بھی سکتی ہے۔ پھر وہ سرمایہ کام میں نہ لگائیں تو زکوٰۃ عائد ہوتی ہے، اس اُلجھن کا حل کیا ہے؟

جواب:۔ (از ادارہ) ۱۔ آج تک ہمارا نقطۂ نظر یہی رہا ہے اور یہی ہونا چاہیے کہ اہلِ تشیع اہلِ سنت کے ساتھ ساتھ ملتِ محمدیہ کے جز ہیں۔ وہ کوئی الگ چیز نہیں ہیں۔ جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے وہ سیاسی ہوں یا فقہی، ہم اُن کے لیے اختلاف کا حق تسلیم کرتے ہیں، مگر جب نظام چلانے کا معاملہ آئے گا تو اختلاف برقرار رہتے ہوئے بہت سی صورتوں میں ہمیں اتحاد اختیار کرنا ہوگا۔ بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ اظہارِ اختلاف کو محدود راہوں میں رکھ کر اتحاد و یک جہتی و ہم آہنگی کی باتیں اُٹھانی ہوں گی۔ اور اُن کے لیے عملاً راستے نکالنے ہوں گے۔

برادرانِ اہلِ تشیع کا اوّلین نقطۂ نظر تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اہلِ سنت کے ہم دوش کھڑا کر کے یہ سمجھیں کہ وہ مل کر الحاد، لادینیّت اور مخالفِ اسلام نظریات کے خلاف جہاد کے لیے میدان میں آئے ہیں۔ اور اگر الحاد اور لادینیت اور مخالفِ اسلام نظریات کی گندگیوں سے بچنے کے لیے انہیں اہلِ سنت کے تصورات پر استوار ہو جانے والا خدا پرستانہ نظام بھی ملے تو وہ اُسے اقرب بلکہ اپنا سمجھیں گے۔ دوسری طرف کسی ملک میں اگر اہلِ تشیع کے تصورات، الحاد اور مادہ پرستی کو شکست دے کر غالب آئیں تو وہاں کے اہلِ سنت کے لیے وہ سابق کافرانہ نظام سے ہزار درجہ بہتر ہوں گے۔

جن قوانین کا ابھی اجراء ہوا ہے، اگر اس پہلی قسط سے ہی حصے بخرے کرنے اور مختلف گروہی فقہوں کے سامنے آنے سے صورتِ حالات مضحکہ خیز بن جائے اور ساری مساعی کا وقار ضائع ہو تو ابھی سے بغور اس امر کو حل کرنا چاہیے۔ اگر کسی مملکت میں بھاری اکثریت ایک فقہی نقطۂ نظر کی حامل ہو تو اس میں لا آف دی لینڈ یا عمومی قانون تو بہر حال اکثریتی فقہ پر ہی چلے گا۔ دوسرے چھوٹے فقہی گروہ صرف پرسنل لا کی حد تک اپنی فقہ کے تحت فیصلے لے سکتے ہیں۔ اسی کے اُلٹ صورت ہے جو برادرانِ اہلِ تشیع کی اپنی

مملکت ایران میں درپیش ہے۔ وہاں شیعی نقطۂ نظر کی فقہ عمومی قانون کی شکل اختیار کرے گی اور اہل سنت کو پرسنل لا میں آزادی ملے گی، نہ یہ کہ وہ عام ملکی قوانین اور فیصلوں میں اپنے لیے الگ حصّہ مانگیں۔ ہمارے برادران تشیع کو پاکستان اور ایران دونوں جگہ اپنی ہی دو مسلم مملکتوں کی حیثیت سے سامنے رکھ کر سوچنا چاہیے کہ دونوں طرف خیر و خوبی سے کام کس طرح چلے گا۔ ایک کا اثر لازماً دوسری جگہ پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایران کا معاملہ ایران والے جانیں، ہم اپنے ملک کے حالات میں جیسے چاہیں گے کریں گے۔ یہ طرزِ فکر اس لیے صحیح نہیں کہ اسلامی انقلابات اُٹھانے والی تحریکیں ملک ملک میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ نہیں ہیں۔ پاکستان اور ایران کی تحریک میں بھی رابطہ ہوا۔ پورے عالمِ اسلام کو سامنے رکھنا ہے اور اصولی راستے طے کرنے ہیں کہ تمام ملکوں میں اقلیتی فقہوں کے بارے میں کیا روش صحیح ہوگی۔

یہی حقیقت تھی کہ جس کے پیش نظر ۱۹۵۱ء میں مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علما نے جمع ہو کر اسلامی ریاست کے جو اصول بالاتفاق طے کیے تھے۔ ان کے ضمن میں اختلافی گروہوں کو پرسنل لا میں اپنی فقہ کے تحت فیصلہ حاصل کرنے کا اختیار تھا، مگر ملکی قانون کے تحت سب میں طے ہوگیا تھا کہ وہ اکثریتی فقہ کے مطابق چلیں گے۔ اس موقع پر ---------- اس فیصلے کو بدل کر کوئی صحت مندانہ صورت اختیار نہیں کی جاسکتی۔

برادرانِ اہلِ تشیع یہ سوچیں کہ اگر وہ زکوٰۃ فنڈ کو الگ کرالیں، اُن کے وصول و صرف کا نظام الگ طے کرالیں، اسی طرح تعلیمی، نشری، معاشی اور دیگر اداروں اور قومی بجٹ اور ہر شعبے میں یہ چاہیں کہ اُن کا انتظام الگ کر دیا جائے تو وہ دوسروں کے ساتھ کس بات میں مل کر چلیں گے۔

اہلِ تشیع کے وہ علماء اور رہبر شاید تدبر سے پوری طرح کام نہیں لے سکے کہ جنہوں نے اپنے لیے کچھ اس طرح کی علیحدگی پسند کی ہے جیسی قادیانیوں کو حاصل ہے۔ یہ مقام غیروں کے لیے ہے۔ آپ اپنے ہو کر خواہ مخواہ اس حد تک کیوں جانا چاہتے ہیں۔

اہلِ تشیع کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے مساویانہ حقوق بھی لیں اور مساویانہ مرتبے پر بھی رہیں۔ مگر کسی حالت میں ایک تو علیحدگی پسندی کے راستے پر نہ پڑیں، اور دوسرے اپنا رویّہ ایسا مزاحمانہ نہ رکھیں کہ ہماری بات مانو ورنہ ہم نفاذِ شریعت کی گاڑی چلنے ہی نہیں دیں گے۔ یہ کوئی مناسب طریقِ کار نہیں ہے۔

سائل سے گذارش ہے کہ اگر ہمارے یہ بھائی حکمت و بصیرت سے کام لے سکیں تو اُن کے حق میں بھی اور ہمارے حق میں بھی بہتر ہوگا، ورنہ یہ فرقہ وارانہ کشاکش اور فقہی انتہاپسندیاں سارے کام کو ناکام کرکے فتح کا سہرا الحاد و دہریت کے سر باندھ دیں گی۔ اور ایسے سانحے تاریخ میں پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔

۲۔ زندگی میں آج جو خیانت کا طوفان درپیش ہے، اُسے دیکھ کر آپ کی پریشانی درست ہے۔ مگر زکوٰۃ و عشر کا نظام چلانے والی کمیٹیاں اگر دیانت دار افراد سے ترکیب پائیں اور ان میں مقامی ائمہ و خطیب حضرات کے سامنے دیندار اور غیر بدنام افراد کو ملا کر کام چلایا جائے تو ضرورت مندوں کی تشخیص ہو سکتی ہے۔ اور اُن کو مجلس عام میں اور اُن کے گھروں پر جا کر نقد روپیہ یا سامانِ رسد پہنچایا جا سکتا ہے۔

شہروں میں بھی اگر وارڈوں کی زکوٰۃ کمیٹیاں قومی اتحاد کے مشورے سے بنائی جائیں تو بڑی حد تک معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

پہلے سے ضرورت مندوں کی فہرستیں اور اُن کی ضروریات کے فارم مرتب ہو کر ڈی سی آفس میں چلے جائیں اور وہاں ضلعی زکوٰۃ کمیٹی کے سامنے تمام رپورٹیں اور فہرستیں اور فارم رکھے جائیں، کمیٹی کے مشورے سے ڈی سی منظوری دے اور ہر ضرورت مند کے لیے کارڈ بن جائے جس پر درج ہو کہ اسے عام مالی امداد دی جائے یا غلّے کی صورت میں، یا بیماری میں اس کے علاج کے لیے اعانت چاہیے یا کسی طالب علم کے لیے کتابیں یا وظیفہ درکار ہے وغیرہ۔ مقررہ وقفوں پر رقوم کی وصولی کے لیے تاریخیں درج ہوں، اور یہ رقم کسی بھی بنک کی شاخ یا کسی بھی ڈاک خانے سے وصول کی جا سکے۔

کمیٹیوں کی طرف سے بالفرض کسی مستحق کو دانستہ یا سہواً چھوڑ دیا گیا ہو تو وہ خود ضلعی کمیٹی کو درخواست دے سکتا ہے تاکہ اس کا معاملہ درست کر دیا جائے۔ گاؤں یا وارڈ کے لوگ تنقید و احتساب بھی کر سکتے ہیں۔

۳۔ میرا خیال ہے کہ نادار مسافروں کے لیے کچھ مدد تو مقامی کمیٹی کی طرف سے ملنی چاہیے، جبکہ انہیں کسی بیماری یا مقدمہ یا کسی اور مجبوری سے سفر کرنا پڑے۔ مسافر کو زادِ راہ مقامی طور پر مل جائے، یا اُسے ریل کا ٹکٹ خرید کر دیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مسافروں کی اجنبی شہروں میں رہائش کا تعلق ہے، جہاں اُن کا کوئی اپنا رشتہ دار نہ ہو تو اُن کے لیے ایسی سرائیں بنوائی جائیں جن میں سادہ بستر دو تین روپے میں ملے اور دن بھر کا سادہ صاف ستھرا کھانا چار یا پانچ روپے میں۔ اس سے زیادہ کوئی بار اُس پر نہ پڑے۔ ایسی رعایت تین دن تک تو عام ہو، کسی خاص صورت میں قیام زیادہ کرنا پڑے تو مقامی زکوٰۃ کمیٹی کا تصدیق نامہ اس کے پاس ہونا چاہیے کہ یہ شخص مستحق ہے اور اسے فلاں کام کے لیے شہر یا قصبے وغیرہ میں رہنا ہے۔

اجرائے زکوٰۃ و عشر کے بعد گداگروں کا سڑکوں پر موجود رہنا واقعی بڑا شرمناک ہے۔

گداگروں کی دو تین قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو جائیداد (مکان، زمین وغیرہ) رکھنے والے لوگوں کی ہے۔ وہ اپنی جائیداد پر گذارہ کریں، یا حکومت اپنے اہتمام سے ان کی جائیداد بیچ کر یا جائیداد سے آمدنی حاصل کر کے ان کو محتاج گھروں میں رکھے اور اُن کا مال ہی اُن پر خرچ کرے۔ ایک گداگر جسمانی طور پر معذور قسم کے ہیں۔ اُن کو محتاج گھروں میں رکھ کر زکوٰۃ فنڈ سے اُن کی ضروریات پوری کی جائیں۔ تیسری قسم گداگروں کی وہ ہے جو جائیداد تو نہیں رکھتی مگر مضبوط جسم رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں کو محنت مزدوری کے کام دلوائے جائیں یا اُن کو کسی دستی کام کی تربیت دلوائی جائے یا اُن سے کوئی خوانچہ وغیرہ شروع کرایا جائے۔ لیکن یہ لوگ مندرجِ فہرست ہونا چاہییں تا کہ اگر اپنی جائیدادوں سے، محتاج خانوں سے، کسی دارالعلاج سے، محنت یا ٹریننگ کی کسی جگہ سے یا کسی خوانچہ ریڑھی سے بھاگ جائیں تو پھر اُن کو گرفتار کر کے پہلے بطورِ سزا جیل میں رکھا جائے، اور پھر انہیں راستے پر ڈالا جا سکے۔

۵ - یوں تو ہمارے ان کے ٹیکس اور مالیات کے پورے ہی نظام کی تجدید کرنی ہوگی لیکن ملازموں اور دماغی کام کرنے والوں سے جو انفرادی ٹیکس لیے جاتے ہیں اُن کا سسٹم بے حد نامعقول ہے۔ نمایاں خرابیاں یہ ہیں:-

ا - مستثنیٰ رقم کی حد قیمتوں اور افراطِ زر کے ساتھ ساتھ بدلتی نہیں بلکہ برسوں جاری رہتی ہے۔

ب - بھاری کنبے والے، درمیانی کنبے اور مجرد فرد کو یکساں آمدنیوں میں سے تقریباً یکساں ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ یہ بالکل بے تکا معاملہ ہے۔ یعنی آٹھ آدمیوں کا بار اُٹھانے والے کو، تنہا ایک آدمی کے

مقابلے میں کوئی خاص رعایت حاصل نہیں رہا، حالانکہ میرے خیال کے مطابق بڑے کنبے (۶ تا ۱۰ افراد) والے اور درمیانہ کنبے والے (۲ تا ۵ افراد) والے اور مجرد حضرات کے لیے ٹیکس سے مستثنیٰ رقوم بحالاتِ موجودہ علی الترتیب ۳۰ ہزار، ۲۴ ہزار، ۱۸ ہزار سالانہ ہونی چاہیے۔ اسی طرح کوئی شخص اگر اپنا آبائی یا نوتعمیر کردہ مکان رکھتا ہو تو اُسے بھی اتنا ہی ٹیکس دینا ہوتا ہے جتنا مکان کا کرایہ دینے والے کو۔ ستم یہ ہے کہ بعض صورتوں میں کرائے کی رعایت ملتی بھی ہے تو معروف گریڈوں کے ساتھ مقرر شدہ کم شرح سے ملتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ۶۰ یا ۱۰۰ روپے کرایہ الاؤنس ملا، حالانکہ عملاً لاہور میں ایک کمرے کا مکان دو ڈھائی سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ دو یا تین کمروں کا ہو تو چار یا چھ سو روپے ہیں، اس سے اُوپر آٹھ سو تا بارہ سو روپے سے کم نہیں ملے گا۔ میرا خیال ہے کہ جو کچھ حقیقی کرایہ دیا جا رہا ہے اس کا دستاویزی ثبوت رسیدوں کی شکل میں اگر دیا جائے تو کرایہ کی سالانہ رقم ٹیکس سے مستثنیٰ آمدنی محسوب ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں پڑھے لکھے لوگ جو دماغی کام کرتے ہیں، جیسے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینئر، ادیب، صحافی، خطیب وغیرہ، اُن کے ملاقاتیوں کا ایک بڑا حلقہ ہوتا ہے۔ اور وہ اُن کے لیے مناسب جگہ اور ضروری فرنیچر کے علاوہ تواضع کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔ اس کا بھی استثنیٰ ہونا چاہیے۔

زندگی کے ان حقیقی مسائل کو اعلیٰ افسران دفتروں میں بیٹھ کر سمجھ نہیں سکتے۔ اور اُن پر نگاہ رکھے بغیر ٹیکس کا عادلانہ نظام وضع نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ فکسڈ ڈیپازٹ یا سرمایہ کاری اداروں میں رقوم رکھوانے والے حضرات کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ بنک کی جمع شدہ رقوم مختلف نفع آور کاموں میں لگائی جائیں گی۔ اور موجودہ سود کے بجائے، منافع اُن پر جمع ہوتا رہے گا۔ کسی ایک آدھ کام میں خسارہ ہو بھی تو اس کا اثر نہیں پڑے گا۔ آخر رقوم تو پھیلا کر لگائی جائیں گی۔ اور مجموعی طور پر ساری رقوم کا منافع محسوب ہوگا۔ کیونکہ بنک ہر فرد کی رقوم الگ الگ اس سے معاہدہ کرا کے نہیں لگائے گا، بلکہ اپنے کھاتہ داروں کی حاصل کردہ رقوم کو وہ ملا جلا کر آگے چلائے گا۔ اور حاصل شدہ منافع سب پر پھیل جائے گا۔

اس منافع میں سے ۲½ فی صدی زکوٰۃ نکالتے رہنے سے کوئی کمی واقع نہ ہوگی، ہاں البتہ کوئی آدمی اب گھر میں کالا دھن چھپا کر رکھے گا تو خسارے میں رہے گا۔

کتب و جرائد

سیرتِ سرورِ عالم پر تبصرہ

مولانا محمد مالک کاندھلوی

اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع کتاب "سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم" کا تعارف ہے۔ یہ کتاب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیف ہے، جس کو جناب نعیم صاحب صدیقی اور محترم عبدالوکیل صاحب علوی نے مرتب کیا۔ اور ادارہ ترجمان القرآن لاہور سے شائع کی گئی، کتاب کے تعارف سے قبل چند الفاظ صاحبِ کتاب کے تعارف اور اُن کی شخصیت و مقام کے بارے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ عرض کر دوں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنے نسب کے لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ شجرۂ نسب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے یہ خاندان عظمت و بزرگی اور علم و فضل کا حامل رہا ہے۔ اور موصوف محترم اسی شجرۂ طیبہ کی ایک شاخ ہیں۔ آپ کے بزرگوں میں حضرت ناصرالدین ابویوسف جن کو خواجہ قطب مودود چشتی کے لقب سے یاد کیا گیا، سلسلہ چشتیہ کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں جن کی وفات ۵۲۷ھ میں ہوئی۔ یہ مودودی خاندان کے جدامجد تھے۔ اور انہی کی طرف انتساب کے لیے اس مبارک خاندان کا لقب مودودی ہے۔

مولانا موصوف کی ولادت ۱۳۲۱ھ ہجری میں اورنگ آباد کے مقام میں ہوئی، جو ریاست حیدرآباد دکن کا ایک علاقہ ہے۔ وہیں بچپن گذرا، علمی ذوق، اور بہترین صلاحیتیں ابتداء ہی سے نمایاں تھیں۔ نوجوانی ہی میں صحافت و تحریر میں اونچا مقام حاصل کر لیا تھا۔ متعدد جرائد و رسالوں کے مدیر رہے۔ پھر ماہنامہ ترجمان القرآن اپنی ادارت و نگرانی میں شائع کرنا شروع کیا، جس کا علمی اور تحقیقی مقام

اہلِ علم میں محتاجِ بیان نہیں۔ علمی شغف اور انہماک ابتداء ہی سے مولانا کا خصوصی وصف رہا۔ اس وجہ سے اسی دور سے سلسلہ تصنیف و تحریر کا شروع کر دیا، جو علمی دنیا میں قابلِ قدر ذخیرہ ہے۔ ان کی تحریروں اور مضامین نے خاص طور سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بہت متاثر کیا، اور ان میں اسلامی حمیت اور دینی اقدار نمایاں کرنے میں بڑا عظیم کام انجام دیا۔ دعوت و ارشاد کے میدان میں بھی اُن کی علمی خدمات ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی۔

۱۹۵۳ء عیسوی کی تحریک ختم نبوت کے زمانہ میں جس عزم و استقلال کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کی ترجمانی کی اور فتنۂ قادیانیت کا مقابلہ کیا وہ بلاشبہ اس دور کی ایک عظیم قابلِ قدر مثال ہے، جس میں انہوں نے نہایت ہی جرأت کے ساتھ اس دور میں پیش آنے والے مصائب کا مقابلہ کیا۔ اور حکام کا کوئی جبر و استبداد اُن کے قدم نہ ڈگمگا سکا۔ ان کی شخصیت نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عرب ممالک اور دنیائے اسلام میں متعارف اور قابلِ قدر ممتاز شخصیت ہے۔

پیشِ نظر کتاب سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیرت نبوی کے موضوع پر ایک بلند پایہ اور اپنی علمی و تحقیقی خصوصیات میں نمایاں مقام رکھنے والی کتاب ہے، جس کی اس وقت تک دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب دراصل مولانا کے متعدد مضامین و تقاریر کا ایک مرتب کردہ مجموعہ ہے۔ جو اب سیرتِ نبوی کے عنوان سے ایک عظیم المرتبت کتاب کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں۔ کتاب کا افتتاحی حصہ ان آیاتِ قرآنیہ کو بنایا گیا، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ قدسی شانِ نبوت کمالاتِ رسالت اور ان عظیم الشان خصوصیات کو بیان کیا گیا جن سے آپ کی نبوت کی عظمت و جامعیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ گویا ان آیات کے مطالعہ سے قارئین کے ذہن پر سیرت نبوی اور فضائل نبوت کا ایک اجمالی عکس مرتسم ہو جاتا ہے۔ کتاب کی جلد اوّل میں ایسے بنیادی مباحث جمع کیے گئے ہیں جن کا تعلق منصب نبوت، وحی، نظامِ وحی اور احوال دورِ جاہلیت یعنی قبل از بعثت سے ہے، اور یہ کہ آپ کی مخاطب قوم عرب کس مزاج و خصلت، تمدن و معاشرت اور اخلاق کی حامل تھی۔ ان میں کیا کیا خصائل رچے ہوئے تھے، ان کی معیشت کس کس طرح کی گندگیوں میں آلودہ تھی۔ اور ان تمام گروہوں کا بھی ذکر ہے جو مختلف عقیدوں اور تمدن میں بٹے ہوئے تھے۔ گویا اس طرح قارئین کو

یہ سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وہدایات نے اس قوم کے مزاج اور معاشرت میں کیسی عظیم تبدیلی کی جو آپ کے فیضانِ نبوت کی اعلیٰ دلیل ہے۔

دلائلِ نبوت کے سلسلہ میں عقلی شواہد اور دلائل کے طور پر سرزمین عرب کے احوال کو بیان کرتے ہوئے آپ کے پیغامِ انقلاب کا ذکر کیا۔ قوم کے ردِّعمل کے ذیل میں تحمّل شواہد کی تفصیل اور آپ کے اخلاقِ عظیم کردار بیان کر کے یہ ثابت کیا کہ انسانی تاریخ میں آپ سے زائد جامع کمالات اور بلند شخصیت کا کوئی فرد حامل نہیں گذرا۔ آپ ماحول سے بلند اور مافوق ہستی تھے۔ جس کو دنیا کی کسی چیز نے متاثر نہیں کیا۔ اور نہایت بہترین اسلوب سے نبوت سے قبل کی زندگی اور نبوت کے بعد کی زندگی کا موازنہ کر کے ان حقائق کو روشن کیا کہ کمالاتِ نبوت کسی انسان کا کوئی حاصل کردہ ہنر نہیں جو اس کی جدوجہد یا علمی اور ذہنی صلاحیتوں سے اس کو حاصل ہو جائے۔ بلکہ کمالاتِ نبوت محض عطاء الٰہی ہیں اور اللہ ہی کی طرف سے اجتباء وانتخاب ہے جس کو وہ چاہے منتخب کرے۔

بعثتِ سرورِ عالم کے متعلق کتب سماویہ سے ایک بہت ذخیرہ بشارات اور پیش گوئیوں کا جمع کیا۔ انجیل یوحنا کی متعدد عبارتیں پیش کرتے ہوئے عیسائیوں کی ان سازشوں کی نشان دہی کی ہے جو دیدہ ودانستہ اس وجہ سے اختیار کی گئیں کہ ان بشارتوں اور نشانیوں یا حضرت مسیح کے صریح حکم اور فرمان دیکھ کر عیسائی قوم اسلام کی طرف رُخ نہ کر لے۔ شاہ حبشہ نجاشی کی شہادت اور قبولِ اسلام کا بھی ذکر کیا۔ جو ہر صاحبِ انصاف شخص کے لیے دعوتِ اسلام کا حکم رکھتی ہے۔ انجیل برنباس کی وہ پیش گوئی بھی ذکر کی، جس نے اقوامِ یورپ اور عیسائی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ عیسائیوں نے اس کو چھپانے کا بڑا اہتمام کیا۔ صدیوں تک دُنیا سے یہ ناپید رہی۔ سولہویں صدی میں اس کے ایک اطالوی ترجمہ کا صرف ایک نسخہ یورپ کے ایک کتب خانہ میں پایا جاتا تھا۔ اور کلیسا کے شہنشاہوں کی طرف سے اس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں یہ نسخہ ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھ لگا۔ پھر مختلف ہاتھوں میں گشت کرتا ہوا ۱۷۳۸ء میں ویانا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا۔ ۱۹۰۷ء میں اسی نسخے کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے ایک پریس نے شائع کیا۔ مگر اس کی اشاعت سے فوراً ہی عیسائی دُنیا میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کتاب عیسائیت کی جڑ ہی کاٹ ڈالے گی تو اس کے نسخے غائب کر دیے گئے۔ اور آئندہ پھر اس کی اشاعت کا دروازہ پوری سختی کے

ساتھ بند کر دیا گیا۔

تو مؤلف نے اپنی کتاب میں اس انجیل اور اس کے حوالوں کا بالتفصیل ذکر کر کے بڑی قوت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کیا۔

پھر ایک موقع پر اس جلد میں مذہب کے جاہلی تصور اور اسلامی تصورِ مذہب کا نہایت محققانہ انداز میں موازنہ کیا۔ اسلام اور جاہلیت کی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے زندگی کے چار نظریے پیش کیے۔ اور اسلام کی حقانیت اور اُس کا دینِ فطرت عین عقلِ سلیم کے مطابق ہونا بیان کیا۔

معجزات کی بحث بھی بلند پایہ بحث ہے، جس میں انبیائے سابقین کے معجزات کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی جامعیت اور عظمت پر مفید اور اہم کلام فرمایا۔

آپ کے عقلی معجزات کے علاوہ حسی معجزات پر مفید بحث کی، مسئلہ شفاعت کے بھی مختلف پہلوؤں پر کلام کیا، اور یہ ثابت کیا کہ کفر و شرک کے ساتھ کوئی سفارش اور شفاعت نافع نہیں۔ آپ کی بیان کردہ پیش گوئیوں پر کلام کرتے ہوئے یہ مواد جمع کیا کہ کفارِ قریش نے آپ کے مقابلہ اور آپ کی دعوت کو توڑنے کے لیے اپنی تمام تدابیر، وسائل اور طاقتیں صرف کر ڈالیں لیکن جن باتوں کی وحی الٰہی نے پیش گوئی کی وہ پوری ہو کر رہیں۔ مکی زندگی سے لے کر فتحِ مکہ تک کی اہم مثالوں کو جمع کر دیا۔

عیسائیت و یہودیت کی حقیقت و حیثیت کو بھی نمایاں کیا۔ اور یہ کہ عیسائی مشنریاں ہمیشہ سے اسلام کے خلاف کس قدر سازشیں کرتی رہیں۔ تاریخ میں پیش آنے والے واقعہ اصحاب الاُخدُود کی بحث کی اور اس میں مفید تاریخی مواد جمع کیا۔

ولادت باسعادت اور بعثت و نبوت اور نزولِ وحی کی تفصیلات بڑے مؤثر اور لطیف انداز میں مرتب کیں۔ غارِ حرا میں خلوت گزینی کے اسرار بیان کیے۔

کفار کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں حقائق کی روشنی میں بیان کیں۔ اور یہ کہ کفارِ مکہ کے پاس جب کوئی بات عقل اور انسانیت کے دائرہ میں رہ کر رکھنے کی باقی نہ رہی تو پھر انہوں نے ضد، عناد اور ہٹ دھرمی اختیار کر لی۔

ایمان بالآخرت دراصل ایمان کی اساس ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث کی۔ اور منکرین آخرت جو بعثت بعد موت اور حشر جسمانی کا انکار کرتے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ انسان کی ہڈیاں

ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد پھر دوبارہ اس کو جسمانی شکل کے ساتھ کس طرح حشر کیا جائے گا۔ تو مؤلف موصوف نے ان اعتراضات و شبہات کو ذکر کر کے ان کا قرآنی حقائق کی روشنی میں رد کیا۔ یہ بحث بڑی مفصل، پُر مغز اور منکرین بعث پر حجت تامہ کا درجہ رکھتی ہے، جس کے ضمن میں ایک کثیر مواد حق تعالیٰ کے دلائل قدرت کا جمع کر دیا ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا بھی بڑی خوبی سے ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ ان تعلیمات اور انسانی اقدار اور عرب قوم کو کس درجہ عظمت و بلندی پر پہنچایا۔ دین میں ہجرت کی اہمیت کے موضوع پر ہجرت حبشہ کا ذکر ہے۔ ہجرت کے اسباب و دواعی پر بحث ہے۔ اور یہ کہ مہاجرین کی اسلام کی خاطر ہجرت اسلام کی عظمت اور حقانیت کا ایک نہایت عظیم تاریخی ثبوت ہے۔

بہرکیف کتاب اپنی افادیت اور جامعیت میں ایک بلند پایہ کتاب ہے جو معنوی خوبیوں کے ساتھ ظاہری محاسن سے بھی آراستہ ہے۔ سیرت نبوی کے موضوع پر علمی دنیا میں یہ کتاب انشاء اللہ تعالیٰ قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھی جائے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

(نشر کردہ ریڈیو پاکستان لاہور۔ مورخہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ۔ بہ اجازت خاص)

خریداران متوجہ ہوں

۱۔ ماہنامہ ترجمان القرآن کے پتہ پر خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے۔

۲۔ ایجنٹ حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ہر ماہ کی پچیس تاریخ تک ترجمان القرآن کے آرڈر میں ترمیم کر سکتے ہیں اس کے بعد تعمیل نہ ہو سکے گی۔

۳۔ منی آرڈر، چیک یا ڈرافٹ ہر ماہ کی پچیس تاریخ تک دفتر ماہنامہ ترجمان القرآن کو موصول ہو جانے چاہئیں۔

منیجر

ماہنامہ ترجمان القرآن۔ اچھرہ۔ لاہور۔

(بقیہ اشارات)

یا سوالات کے جوابات جب کبھی لینا چاہتے ہیں تو مولانا بمشکل اپنے آپ کو آمادہ کرتے ہیں۔ اور لوگ تو خیر کوئی بار ڈال بھی سکتے ہیں، مگر ہم لوگ جو قریب رہنے اور مولانا کے حالات کو جاننے والے ہیں، وہ اس قسم کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اکثر اپنے شوقِ ملاقات و گفتگو پر بھی پابندی لگانی رکھنا پڑتی ہے۔ اور اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ نمازوں کے وقت مولانا کو دیکھ لیا جائے۔

یہ تفصیل اس لیے لکھنا پڑی کہ بہت سے محبت مجھ سے بجا طور پر یہ تقاضا کرتے رہتے ہیں کہ مولانا سے کچھ نہ کچھ لکھوایا جائے۔

مولانا نے جو کچھ ہمیں اب تک دیا ہے وہ ہزار ہا صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اسے پڑھنا، اس پر غور کرنا اور اس کے تقاضے پورے کرنا خود ایک بڑی مہم ہے۔ ہم لوگ اگر اس مہم کو سر کر سکیں تو یہ بہت ہے۔

آج مولانا کا پیغام نہ صرف ملک کے در و دیوار سے گونج رہا ہے، بلکہ عالمی اسلامی تحریکات کا موصوف مرکز ہیں۔ اور دنیا بھر کی اسلامی قوتیں اور شخصیتیں ان سے اُمید اور قوت حاصل کرتی ہیں۔ اللہ کا مولانا پر خاص کرم ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اسلام کی لہر کو بہت اونچا اٹھتے دیکھ لیا۔ خدا غلبۂ اسلام کے مزید مراحل کو دیکھنے کے لیے مولانائے محترم کو مزید زندگی اور قوت عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد صلاح الدین مدیر "جسارت" کی گرانقدر اور بلند پایہ تصنیف

بُنیادی حقوق

پیش لفظ

مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

ولایتی کاغذ ــــ آفسٹ طباعت ــــ خوبصورت کور

سائز ۱۸/۲۲×۸ ــــ صفحات ۳۳۶

دوسرا ایڈیشن

ڈیلکس ایڈیشن ــــ ۲۷/ روپے

پیپر بیک ــــ ۲۰/ روپے

ادارہ ترجمان القرآن ○ اچھرہ ○ لاہور